جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

جلد ۱۱ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ ـــ مارچ ۲۰۰۶ء شمارہ ۲

بانی

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبد الشکور ترمذی

قدس سرہ

جامعہ حقانیہ

ساہیوال • سرگودھا
۰۴۸-۶۷۸۶۰۰۲/۶۷۸۶۸۹۹

صفر المظفر ۱۴۲۷ھ مارچ ۲۰۰۶ء فہرست

☆☆☆☆☆☆☆

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

اللہ اسمِ اعظم ہے

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں میں سے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے، تمام اولیاء اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اسمِ ذات ہی اسمِ اعظم ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی لفظ اللہ ہی کو اسمِ اعظم فرمایا ہے، ملاحظہ ہو مشکل الآثار ص۶۲ ج الللامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خاتم مثنوی حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام — شیر وشکر می شود جانم تمام

اسم اعظم است اللہ العظیم — جان جاں ونحی عظم رمیم

ترجمہ شعر: اللہ تعالیٰ کا یہ نام کتنا میٹھا ہے کہ ساری جان ہی اس نام لینے سے میٹھی ہو جاتی ہے ،اللہ تعالیٰ کا عظیم نام اللہ اسم اعظم ہے جو جان کیلئے محبوب اور بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نام ہے اس ذاتِ گرامی کا جو تمام صفاتِ کمال کی جامع اور صفات ربو بیت کے ساتھ متصف یکتا اور بے مثال ہے چونکہ وہ ذات پاک واحد اور ایک ہے اس لئے اس لفظ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا ،اس مبارک نام کی بڑی برکات اور خصوصیات ہیں جن کو اہل اللہ نماز میں اور عاشقین ہی جانتے ہیں۔

فائدہ: لفظ جلالہ ''اللہ'' کی خصوصیات پر حضرت الاستاذ جامع المعقول والمنقول العلامہ الھمام الشیخ محمد موسیٰ روحانی بازی قدس سرہ کی ضخیم کتاب ''فتح اللہ لخصائص اسم اللہ'' قابل مطالعہ ہے جس میں آٹھ سو خصوصیات لفظ اللہ کی بیان کی گئی ہیں، اس سے اسم جلالہ کی عظمت وبزرگی ظاہر ہے، اہل علم کیلئے یہ کتاب ایک عجیب وغریب نادرونایاب نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔

الرحمٰن الرحیم

یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، رحمٰن کے معنی ہیں عام الرحمۃ یعنی وہ ذات جس کی رحمت

سارے عالم اور ساری کائنات اور جو کچھ اب تک پیدا ہوا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا سب پر جاری اور شامل ہو۔رحیم اس کے معنی تام الرحمۃ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کی رحمت کامل اور مکمل ہے۔لفظ رحمٰن بھی اللہ جل شانہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو رحمٰن کہنا جائز نہیں کیونکہ باری تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا جس کی رحمت سے عالم کی کوئی چیز خالی نہ ہو اور وہ سب پر حاوی ہو، پھر جس طرح لفظ اللہ کا جمع اور تثنیہ نہیں آتا ایسے ہی لفظ رحمٰن کا بھی جمع تثنیہ نہیں آتا کیونکہ یہ لفظ ایک ہی ذات کے ساتھ مخصوص ہے وہاں دوسرے تیسرے کا احتمال ہی نہیں،البتہ لفظ رحیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں قرآن کریم میں رحیم کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی آیا ہے کما قال تعالیٰ بالمؤمنین رؤف رحیم (پ ۱۱) مگر جس طرح اس کی حیات ہماری حیات جیسی نہیں اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا ہمارے سننے، دیکھنے اور کلام کرنے کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی رحمت بھی ہماری رحمت کے مماثل نہیں،لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر کوئی شے اس کے مثل نہیں وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے،وہ اپنے سننے اور دیکھنے میں اور ادراک اور علم میں جوارح کا محتاج نہیں واللّٰہ الغنی وانتم الفقراء اللہ ہی ہر طرح سے بے نیاز ہے اور تم ہی ہر طرح سے اس کے محتاج ہو۔ اسی طرح وہ اپنی صفت رحمت میں بھی نہ رقت قلب کا محتاج ہے اور نہ انفعال نفس کا جیسے اس کی ذات بیچون وچگون ہے اسی طرح اس کی صفت علم وقدرت اور صفت رأفت ورحمت وغیرہ بھی بے چون وچگون ہے،اس کے بے چون وچگون رحمت حقیقیہ علماء کی مجاز وتاویل اور استعارہ وتمثیل کی ذرہ برابر محتاج نہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　خاک بر فرق من وتمثیل من

اے وہ مبارک ذات جو میرے وہم وگمان اور قیل وقال سے بلند وبالا ہے،جس کے سامنے میرا فرق اور مثال بیان کرنا بے سود ہے۔

صفات باری تعالیٰ میں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی مسلک تھا اور وہ حضرات اس لیس کمثلہ شیء کے اسماء حسنیٰ میں تاویل کو بدعت سمجھتے تھے۔امام ابوالحسن اشعری نے اخیر عمر میں متکلمین کے فریق تاویل وتمثیل کو چھوڑ کر مذہب سلف ہی کی طرف رجوع فرمایا جیسا کہ امام موصوف نے اپنی آخری تصنیف کتاب الابانہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

درس حدیث

رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسیؒ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد ہی خلوت ہوسکتی ہے

(۳) یہ ارشاد اس کی بھی دلیل ہے کہ عبادت حقوق واجبہ کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد ہی ہوسکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس ان کے حقوق ادا کرنے ہی کو (خلوت سے) واپس آتے تھے، اسی طرح دوسرے حقوق واجبہ کا ادا کرنا اور پوری طرح ادا کرنا بھی ضروری ہے اس کے بعد مستحبات میں مشغول ہونا چاہئے (الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان العبادۃ لاتکون الا بعداعطاء الحقوق الی قولہ وحینئذیرجع الی المندوبات)

ف: خلاصہ یہ کہ حقوق واجبہ کو تلف کر کے خلوت وعبادت کرنا حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ بلا کت ہے گو ظاہر میں اس کو عبادت سمجھتے ہوں ۱۲۔

طریق تربیت دوسرے طریقوں سے افضل ہے

(۴) اس ارشاد میں اس کی بھی دلیل ہے کہ مرید کیلئے (طریق) تربیت (کہ تدریجاً ترقی کرے) دوسرے طریقوں سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول (سچے) خواب سے ہوئی پھر ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے، اور (ظاہر ہے کہ) رسول اللہ ﷺ افضل البشر ہیں پس اگر تربیت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ افضل ہوتا تو آپ اس کے زیادہ مستحق تھے (الوجہ الثانی عشرفیہ دلیل علی ان التربیۃ للمریدافضل من غیرھاالی قولہ لکان اولی بہ من غیرہ)

ف: اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو شیخ کی ایک نظر میں صاحب نسبت ہونے کے متمنی ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ کامیابی کا یہ طریقہ افضل نہیں بلکہ افضل یہی ہے کہ تربیت کے طریقہ سے

کامیابی حاصل ہو (وھذا ھو ذوق مشائخنا لاسیما حکیم الامۃ منھم)

مبتدی کیلئے خلوت ہی مناسب ہے

(۵) اس ارشاد میں اس کی بھی دلیل ہے کہ مبتدی کیلئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء امر میں اکیلے ہی رہتے تھے اور جب اس انتہاء پر پہنچ گئے جو آپ کیلئے مقدر تھی پھر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھر والوں کے درمیان رہ کر ہی عبادت کرتے تھے، اب آپ کی یہ حالت ہوگئی کہ سجدہ کے وقت گھر والوں کا پیر دبا دیتے تا کہ وہ اپنا پیر سمیٹ لیں (اور سجدہ کیلئے جگہ ہو جائے) اور ابتداء میں آپ نے اس پر قناعت نہیں فرمائی کہ گھر میں رہ کر گھر والوں سے یکسو رہیں بلکہ غار کی طرف تشریف لے جاتے تھے جیسا اوپر گذرا (الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان الاولی باھل البدایۃ الخلوۃ والاعتزال الی قولہ حتی خرج الی الغار)

ف: خلاصہ یہ کہ خلوت در انجمن مبتدی کیلئے مناسب نہیں بلکہ اس کو خلوت کاملہ کی ضرورت ہے، خلوت در انجمن منتہی کا درجہ ہے اس کو اہل وعیال اور احباب کی صحبت توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوتی مگر منتہی کو بھی دن رات میں ایک وقت خلوت کاملہ کیلئے مقرر کرنا چاہئے (لقولہ تعالی للنبی ﷺ بعد بلو غہ درجۃ الکمال واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا بعد قولہ ان لک فی النھار سبحا طویلا)

خلوت کمال عبادت اور صلاح دین میں معین ہے

(۶) اس حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ خلوت سے انسان کو کمال عبادت اور دین کی درستی میں مدد ملتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں سے الگ ہو (کر گوشہ نشین ہو) گئے اور خلوت میں رہنے لگے اسی وقت آپ کو یہ خیر عظیم (یعنی نبوت) حاصل ہوئی، پس جو شخص بھی آپ کے موافق عمل کرے گا اسکو خیر حاصل ہوگی اور مقامات ولایت میں سے اللہ تعالی نے جو درجہ بھی اس کیلئے مقدر فرمایا ہے اس پر پہنچ جائیگا (الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی ان الخلوۃ عون للانسان علی تعبدہ الی قولہ بحسب ماقسم اللہ من مقامات الولایۃ)

مرسلہ: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامتؒ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆ فرمایا حذیو مصر کے پیر بہت بوڑھے تھے جب حج کے واسطے مکہ آئے تو ہمارے حضرت سے ملنے کیلئے پیدل آئے، شریف مکہ نے سواری کا انتظام کرنا چاہا تو کہا کہ شیخ کے یہاں سوار ہو کر جانا سوء ادب ہے، حضرت نے ان کی شان کے موافق خوب سامان کیا چائے وغیرہ کا تو ایک صاحب نے کہا حضرت کو اس کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا انزلوا الناس منازلهم وہ حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ میری طرف توجہ فرمایئے، حضرت نے چائے پیش فرمائی انہوں نے عرض کیا کہ چائے کی کیا ضرورت ہے بس توجہ فرما دیجئے، فرمایا وہ بھی ہو جائے گا چائے سے فارغ ہو کر، گردن جھکا کر بیٹھ گئے حضرت بھی متوجہ ہو گئے پھر سر اٹھا کر بولے کہ الحمد للہ جیسا سنا تھا اس سے بدرجہا زیادہ پایا، حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں کیا چیز ہوں تو بگڑ گئے اور کہا تو کیا میں اندھا ہوں۔

☆ فرمایا بعض علوی خود کو سید سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے خدا جانے کہاں سے کہتے ہیں، سید تو عرف میں صرف بنی فاطمہ ہیں ہاں کوئی اصطلاح ہی بدل دے تو دوسری بات ہے۔

☆ فرمایا کہ بارش ہوئی تو ایک صاحب بھاگے دوسرے صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھاگتے ہو تو خوب جواب دیا کہ اس لئے بھاگتا ہوں کہ پیروں میں نہ آئے۔

☆ فرمایا اب تو تصوف میں اتنا توسع ہو گیا کہ قرآن حدیث تو کیا استدلال میں عربیت کی بھی ضرورت نہیں رہی، ایک شخص کہا کرتے تھے والليل اذا سجى اے نفس! تیری یہی سجا، اے شاید ترجمہ ہو واؤ کا اور نفس لیل کا بمناسبت ظلمت کے اور یہی اذا کا کیونکہ اس میں ذا بھی ہے جو اسم اشارہ ہے سجى سجا ہی ہے (یعنی سزا) اور اس پر بھی جو سمجھ میں نہ آئے وہ رمز ہے۔

☆ فرمایا چھوٹے ماموں صاحب کہتے تھے کہ ان سے ایک فقیر ملا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ رزق بڑا ہے یا محمد (ﷺ) انہوں نے کہا کہ نہ اس عنوان سے شریعت میں تعلیم ہوئی ہے اور نہ اس کی

ضرورت، ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں اور رزق ایک مخلوق ہے اسلئے حضور ﷺ ہی اشرف ہیں۔ بولا معلوم ہوا بے پیرے ہو، پھر اپنا حقّہ (گٹکا) اٹھا کر سر پر گھما کر کہا کہ دیکھ اشھد ان محمدا رسول اللہ پہلے اَن ہے پھر محمد (ﷺ) اور اَن ہندی میں رزق کو کہتے ہیں اگر اَن اشرف نہ ہوتا تو پہلے کیوں ہوتا۔

☆ فرمایا دارا شکوہ ایک درویش سے ملنے گئے جو واہی تباہی بکتا تھا وزیر بھی ساتھ تھے دارا شکوہ نے پوچھا کہ عمر شریف؟ بولے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمہارے دادا کیبر سے لڑائی ہوئی تھی تو ہم تمہارے دادا کی طرف تھے، وزیر نے کہا کہ حضور کی تاریخ دانی بھی معلوم ہوگئی اور ایمان بھی، تو دارا شکوہ نے ڈانٹ دیا کہ بزرگوں پر اعتراض نہیں کرتے کوئی کیا جانے کیا رمز ہے۔

☆ فرمایا لوگ تصوف کے مضامین کے اشارات کو تفسیر سمجھ لیتے ہیں حالانکہ نہ وہ اشارات یقینی ہیں نہ ان سے تفسیر مقصود ہے یہ تو علم اعتبار کہلاتا ہے۔

☆ فرمایا ایک طالب علم حدیث پڑھنا چاہتا تھا، میں نے کہا کہ معاش کی کیا صورت ہے؟ کہنے لگے وما من دابة فی الارض الاعلی اللہ رزقھا میں نے کہا کہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ گویا میں اس آیت سے جاہل ہوں ورنہ پوچھتا ہی کیوں تو ایسے جاہل شخص سے پڑھنے سے کیا فائدہ ہے۔

☆ فرمایا ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں خط لکھا اور اپنی اصلاح کی درخواست کی، میں نے لکھ دیا کہ مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ضروری ہے، میں عربی میں اچھی طرح لکھ نہیں سکتا آپ لکھ سکتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس کی توجیہ میں یہ لکھا کہ عربی اہل جنت کی زبان ہے اور محبوب ہے اس لئے عربی میں لکھا ہے، تو میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ یہ نیت تھی اور اگر یہی داعی ہے تو جب یہاں آؤ گے تو کیا گفتگو بھی عربی ہی میں کرو گے؟ بس ٹھیک ہو گئے۔

☆ فرمایا میں نے ایک صاحب کو مشورہ دیا کہ تم کو مجھ سے مناسبت نہیں اس لئے فلاں بزرگ سے رجوع کرو تو انہوں نے اوروں سے کہا کہ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ فلاں کی بغل میں جا بیٹھو، مگر ایک صاحب نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم اگر مجھے کسی بھنگی کے سپرد کریں تو فوراً اس سے رجوع کرلوں، پھر اگر نفع نہ ہو اطلاع کروں لیکن اگر پھر بھی وہیں حکم ہو تو وہیں رہوں، یہ ہے فنا کی شان۔

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

گستاخ رسول کی شرعی سزا

حمد وصلوٰۃ کے بعد تمام مسلمانانِ عالم کی خدمت میں گذارش ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات مقدسہ پر ایمان وعقائد رکھنا ایمان کے ان اصولی اور بنیادی مسائل میں سے ہے جن کے بغیر مومن ومسلمان نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہر عیب اور نقص سے پاک اعتقاد کرنا ایمان کیلئے ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کا مدعی ہے مگر وہ ان ذوات مقدسہ پر کسی طرح کی تہمت تراشی کرتا یا ان کی شانِ اقدس میں عیب لگاتا یا ان کی توہین اور گستاخی کو جائز سمجھتا ہو یا ان کی ایذاء کا مرتکب ہوا ہو تو وہ اسلام سے خارج اور مرتد واجب القتل ہو جاتا ہے اور اس کا زبانی دعویٰ اسلام اس کے کچھ کام نہیں آتا، نہ ہی یہ دعویٰ اسلام اس کو سزائے ارتداد سے بچا سکتا ہے اس لئے کہ اسلام میں رسول کی حیثیت مرکزی ہے تمام اسلامی عقائد واعمال کا سرچشمہ اور منبع رسول ہی ہے، رسول کے لائے ہوئے تمام احکام کی دل سے تصدیق کرنے کا ہی نام ایمان ہے، جب نام ہے تصدیق کا تو رسول کی گستاخی اور استہزاء کے ساتھ ایمان کیسے باقی رہ سکتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی گستاخی اور توہین کا مرتکب ایمان سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے اور امتِ مسلمہ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے مذاہب اربعہ کے علماء محققین نے اس پر مستقل رسالے تصنیف فرمائے ہیں۔

چنانچہ علامہ قاضی محمد عیاض کی کی الشفاء فی تعریف حقوق المصطفےٰ، علامہ ابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلول علی شاتم الرسول، علامہ السبکی الشافعیؒ کی السیف المسلول علی من سب الرسول، علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین حنفی کی تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام اواحد اصحابہ الکرام، اس سلسلہ کی مشہور ومعروف کتابیں ہیں اہل علم کیلئے اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ ازبس

ضروری اور مفید ہے، شاتم رسول اور سب کرنے والے کے بارے میں ان کتابوں میں تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور اس کے مرتد ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، پھر مرتد کی سزائے قتل قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں بتلائی ہے۔

مرتد کی سزائے قتل کے بارہ میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے الشہاب رجم الخاطف المرتاب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان نے "طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد" اور "کفر وایمان قرآن کی روشنی میں" اور مولانا محمد ادریسؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند نے اپنے رسالہ "احسن البیان" وغیرہ میں کافی دلائل جمع کر دیئے ہیں ایک طالب حق کیلئے ان کا مطالعہ کافی ہے۔

ہم نے اپنی اس تحریر کی ترتیب میں دوسری کتابوں کے علاوہ ان کتابوں پر اعتماد کر کے ان سے بھی استفادہ کیا ہے۔

سبب ترتیب

شاتم رسول سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" کے چند اقتباسات میرے پاس بطور استفتاء آئے جن میں ہادی انسانیت سرورعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المومنین قرآن مجید، صحابہ کرامؓ کی ذات گرامی پر از راہِ خباثت نہایت گستاخانہ اور شرمناک حملے کئے گئے ہیں اس کتاب سے تمام عالم اسلام کے جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں اور مسلمانانِ عالم رشدی کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے ہیں، اس کتاب میں صرف مسلمانوں کے ہی جذبات کو مجروح نہیں کیا گیا بلکہ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے متفقہ پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نعوذ باللہ "حرامی" (۹۵) کہہ کر مسلمانوں کے ساتھ تمام یہودیوں اور عیسائیوں کے جذبات کو بھی مجروح اور مشتعل کر دیا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرون وسطی کے ہتک آمیز نام "مہونڈ" سے پکارا گیا ہے جس کا مطلب نعوذ باللہ، شیطان یا جھوٹا نبی ہے (۹۵) اور آپ کے متعلق یہ فقرے استعمال کئے گئے ہیں:

وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کے پاس نیک وبد میں امتیاز کرنے کیلئے وقت نہیں (۳۶۳)

اپنی بیوی کی وفات کے بعد مہوند کوئی فرشتہ نہیں رہا آپ میرا مطلب خود ہی سمجھ لیجئے (۳۶۶)

اسے جو وحی آتی وہ اس کے اپنی غرض کے لحاظ سے ''بروقت'' ہوتی یعنی ایسے وقت جبکہ مومنین آپس میں جھگڑ رہے ہوتے تھے (۳۶۴)

صحابہ کرامؓ کو نام لے کر ''احمق'' اور ناکارہ کیا گیا (۱۵۱)

طوائفوں اور فاحشاؤں کو پیغمبر خدا کی ازواج مطہراتؓ کے نام دے کر ایک قحبہ خانہ میں پیش کیا گیا ہے اور اس ضمن میں دل کھول کر ادبی مغلضات کی گئی ہیں (۳۸۱،۵۲،۸۳)

اسلام کے متبرک شہر کو ''جاہلیت'' کے نام سے پکارا گیا ہے یعنی جہالت اور تاریکی کا گھر (۹۵)

مسلمانوں کا خدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کاروباری تاجر ہے اور اسلامی شریعت تو ہر ذلیل سے ذلیل چیز میں گھسی ہوئی ہے (۳۶۴)

اغلام بازی اور مجامعت کے خصوصی آسن کی خود جبرئیل امین نے توثیق کر رکھی ہے (۳۶۴)

رشدی کے جرم کی مکمل تصویر تو اس کی مذکورہ کتاب کے پڑھنے اور سمجھنے سے ہی سامنے آسکتی ہے مگر مندرجہ بالا اقتباسات کو سامنے رکھ کر بھی اس کے جرم اور اس کی سزا کا تعین قرآن وسنت اور فقہاء اسلام کے حوالوں سے ہوسکتا ہے، اس کے جرم کی شناخت اور تنقیح کیلئے اس کی کتاب کے مذکورہ حوالہ جات بھی کافی ہیں، اگرچہ اس تحریر کی ترتیب وتالیف کا سبب ''رشدی'' کی کتاب مذکور کے منقولہ اقتباسات ہیں اور اس کے گستاخانہ الفاظ اس کا باعث ہیں مگر ہم نے مناسب سمجھا کہ پہلے اصولی طور پر یہ بتلائیں کہ شریعت اسلام کی اصطلاح میں کفر وایمان کی حقیقت کیا ہے، مسلمان کس کو کہتے ہیں اور کافر کس کو؟

یہ ایسا اصولی مسئلہ ہے کہ اگر اس کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو دور حاضر کے رشدی کے فتنہ سمیت تمام ملحدانہ فتنوں، قادیانی، نیچری، پرویزی وغیرہ وغیرہ کو سمجھنے میں آسانی ہوجائے اور کسی مسلمان کو بھی رشدی جیسے ملحد کے جرم وسزا کی صحیح اسلامی شرعی حیثیت سمجھنے اور اس کے متعین کرنے میں

کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہو۔

جس طرح یہ تحریر رشدی فتنہ کی قباحت وشناعت اوراس کے کفروالحاد کے سمجھنے کیلئے کارآمد ہے اسی طرح یہ تحریر ہر ملحد اور فتنہ گر کے کفروالحاد کوطشت ازبام کرنے اوراس کی شرعی حیثیت سمجھنے کیلئے معین ومفید ہے، اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصولی مسئلہ ''ایمان وکفر کی حقیقت'' کی طرف سامعین کی توجہ منعطف کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم کر کے ایسے تمام فتنوں سے اپنے اسلام کی حفاظت کریں گے۔اور جو شخص بھی ملحدانہ تقریر وتحریر سے اپنی کفریات کو پیش کرے گا اس کے دامن فریب میں نہیں آئیں گے واللہ الموفق والمعین و بہ استعین ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان اور اسلام کی تعریف

اسلام کے لغوی معنی

لفظ ایمان امن اور امانت سے مشتق ہے لغت میں ایمان ایسی خبر کی تصدیق کو کہتے ہیں کہ جس کا ہم نے مشاہدہ نہ کیا ہو اور محض خبر کی امانت اور صداقت کے بھروسہ پر اس کو تسلیم کرلیا ہو۔

مثلاً اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کی خبر دے تو اس کے جواب میں صدقنا اور سلمنا کہا جا سکتا ہے لیکن امنا نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ طلوع شمس محسوس اور مشاہد ہے، ایمان کا اطلاق لغت میں غائب اور غیر محسوس چیزوں کی تصدیق کیلئے بولا جاتا ہے، محسوس اور مشاہد چیزوں کے ماننے کو مطلق تصدیق کہیں گے، مگر ایمان نہ کہیں گے۔

ایمان کے اصطلاحی شرعی معنی

اصطلاح شریعت میں انبیاء کرام کے اعتماد اور بھروسہ پر احکام خداوندی اور غیب کی خبروں کی تصدیق کو ایمان کہتے ہیں مثلاً فرشتوں کو بغیر دیکھے محض نبی اور رسول کے اعتماد پر ماننے کا نام ایمان ہے اور موت کے وقت فرشتوں کو آنکھوں سے دیکھ کر ماننا ایمان نہیں، یہ ماننا اپنے مشاہدہ پر مبنی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد اور بھروسہ پر نہیں۔

اسلام لغت میں اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے یا یا لفاظ دیگر اپنے کو کسی کے حوالہ اور سپرد کردینے کا نام اسلام ہے اور اصطلاح شریعت میں نبی برحق کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فلاوربك لايؤمنون حتى يحكموك فيماشجر بينهم ثم لايجدوفي انفسهم حرجامماقضيت ويسلم تسليما (پ۵ رکوع)

ترجمہ: قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلاف میں حاکم اور منصف نہ بنائیں اور پھر آپ کے فیصلہ کے بعد دل میں کسی قسم کی تنگی اور انقباض

نہ پائیں اوردل وجان سے آپ کے فیصلہ کوقبول کرلیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے

قال لوان قوما عبدوا اللّٰہ تعالیٰ واقاموا الصلوۃ واتوالزکوۃ وصاموا رمضان وحجوالبیت ثم قالوالشئی صنعہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاصنع خلاف ماصنع اووجدوافی انفسھم حرجاًلکانوامشرکین ثم تلاھذہ الایۃ(روح المعانی ص ۷۱ ج ۵)

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ اگرکوئی قوم اللہ کی عبادت کرے نمازاورروزہ حج اورزکوۃ سب اداکرے اگرکسی کام کے متعلق جوحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے کیاہویہ کہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا، اس کے خلاف کیوں نہ کیایا آپ کے کسی حکم سے قلب میں تنگی اورانقباض محسوس کیاتویہ لوگ باوجودنماز اورروزہ کے کافراورمشرک کے حکم میں ہیں اوراس کے بعدیہ آیت تلاوت فرمائی۔

آیت مذکورہ اوراس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پرایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کودل سے تسلیم کیاجائے ،خدااوررسول پرایمان لانے کایہ مطلب نہیں کہ خدااور رسول کوصرف موجومان لیاجائے یافقط زبان سے خداتعالیٰ کی الوہیت اورنبی کی نبوت کااقرارکیا جائے بلکہ ایمان کے معنی بے چون وچرااوربے دغدغہ اوربے تردددل وجان سے تمام احکام کے ماننے کے ہیں۔

رسول کی رسالت کااقرارکرنااوراس کی شریعت کوواجب العمل نہ سمجھنایہ ایسا ہے کہ کوئی شخص حکومت کوتسلیم کرےاوراس کے آئین اوردستورکوواجب العمل نہ سمجھے کہ عقلاء کے نزدیک یہ کھلاہوا تمسخرنہیں ہے ،تمام عقلاء کے نزدیک حکومت کے ماننے کامطلب ہے ہی یہ کہ اس کے تمام قوانین اوراحکام کوتسلیم کیاجائے۔

کفر کی تعریف

کفرشریعت میں ایمان کی ضد ہے جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تواس سے کفرکی صورت بھی واضح ہوجاتی ہے ،اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کونبی کے بھروسہ اوراعتمادپربے چون وچرا تسلیم کرنے کانام ایمان ہےاوراللہ تعالیٰ کے کسی ایک حکم کونہ ماننا جوہم تک قطعی طورپرآنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہنچا ہو کفر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے اس کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر وارتداد ہے۔

کفر کے اقسام

مذکورۃ الصدر ایمان وکفر کی تعریف سے واضح ہوگیا کہ ایمان تمام عقائد ضروری کے مجموعہ کی تصدیق وتسلیم کا نام ہے لیکن کفر کیلئے ان سب چیزوں کی تکذیب یا سب کا انکار ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر ہی ہے، کیونکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہو اس کا انکار کفر ہے۔

پھر تکذیب کی کئی صورتیں ہیں اس اعتبار سے کفر کے کئی اقسام ہیں، سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات میں کفر کی دو قسموں کفر ظاہر اور کفر باطن (نفاق) کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۱) تکذیب کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہی تسلیم نہیں کرتا، جیسے یہودی وغیرہ۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ رسول تسلیم کرنے کے باوجود آپ کے کسی قول کی صراحۃً غلط یا جھوٹ کہتا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ہدایات پر ایمان لاتا ہے اور بعض کی تکذیب کرتا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ دعویٰ اسلام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل کی ایسی تاویل کرے جو قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف ہو۔

کفر زندقہ والحاد

تکذیب کی یہ چوتھی صورت جس کا نام زندقہ والحاد ہے درحقیقت نفاق کی ہی ایک قسم ہے اور عام نفاق سے بھی زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبکہ سلسلہ وحی منقطع ہوگیا اور کسی شخص کے دل میں چھپے ہوئے کفر ونفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے تو اب منافق صرف ایسے ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے

سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کرتے ہوں، زندقہ اور الحاد اس کی ایک مثال ہے۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں

المنافق فی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھو الزندیق الیوم (تفسیر ابن کثیر ص ۴۹ ج ۱)

اب نفاق کی ایک ہی صورت باقی ہے جس کو زندقہ کہتے ہیں یعنی دعوئے اسلام کے ساتھ ساتھ ان سے کچھ ایسے اقوال یا افعال صادر ہوئے ہوں جو ان کے باطنی کفر کی علامت بن رہے ہوں چوتھی قسم کی یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوتی اس لئے خود مسلمان بھی اکثر اس میں دھوکہ کھا جاتے ہیں بلکہ اصول دین سے ناواقف بعض لوگ علماء کرام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں (ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں "حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان)

اس الزام کی حقیقت

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ علما کسی کو کافر نہیں بناتے اور نہ کوئی کسی کو کافر بنا سکتا ہے کافر تو خود اپنے قول و فعل سے بنتا ہے، البتہ علماء اس کو یہ بتادیتے ہیں کہ قول اور فعل سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، کافر بنانا علماء کے اختیار میں نہیں اور بتادینا جرم نہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ اگر کوئی وکیل کسی تقریر یا تحریر کے متعلق یہ بتادے کہ یہ تقریر یا تحریر ملکی قوانین کی رو سے بغاوت اور جرم ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وکیل نے اس کو باغی بنایا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نکتہ سے اس وکیل نے بغاوت کو بتلا دیا، بالفرض اگر اس وکیل کی رائے صحیح بھی نہ ہو تب بھی یہ وکیل قابل شکریہ ہے کہ اس نے خبردار کر دیا (احسن البیان)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

مقام رسول کریم ﷺ

کتاب وسنت کی روشنی میں (قسط ۲)

یہ سخت غلط فہمی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سے سمجھ لیا جائے جو پہلی امتوں کو کسی عبادت وریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں، یہ صرف تشریعی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اس کو اس منصب کیلئے منتخب کر لیتی ہے۔

اگر نبوت ان کمالات میں سے ہوتی جو مجاہدات وریاضات، پاکبازی، حسن نیت وغیرہ عبادات کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کیلئے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا، کیونکہ جتنی عملی جدوجہد، اتباع شریعت کا جتنا جذبہ خود نبی کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا، مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے یعنی جب خدا تعالیٰ کی زمین شروفساد، طغیانی وسرکشی، تکبر وفخر سے بھر گئی ہے، صلاح وتقویٰ کا تخم فاسد ہو گیا ہے، رشد وہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں وہی وقت انبیاء علیہم السلام کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں قرار پایا ہے، کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں ہے کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے کہ ولایت وصدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا میں انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت ہدایت کا اقتضاء ہے، اس میں کسب واکتساب اور ماحول کی مساعدت ونا مساعدت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نبوت ان کمالات میں سے نہیں ہے جو ریاضات ومجاہدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ یہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق تشریعی ضرورت اور براہ راست خدا تعالیٰ کی صفت اجتباء واصطفاء کے ساتھ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کیلئے چن لیتا ہے۔

رسالت کا مفہوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے، آپ کو صرف رسول اللہ سمجھنا اور خاتم النبیین نہ سمجھنا آپ کی حیثیت کے

صرف ایک ہی جزء کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو، آپ کے منصب عالی کا ممتاز جزء خاتم النبیین ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع ہیں اور اس طرح جمع ہیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوۃ کے اقرار کیلئے کافی سمجھا گیا جیسا کہ کلمۂ توحید کا اقرار، اس کا اقرار کو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالۃ کے ہم معنی ہے اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمۂ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دے دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہئے۔

عقیدۂ ختم نبوت ایمان کا جزء ہے

حدیث میں جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتا، قرآن کریم میں ولکن رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ اسی لئے ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں، اس کے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص لقب ہے اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے، حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب صرف بطور مدح نہیں ہے بلکہ یہ بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے، خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح یہ صرف ایک محاورہ نہیں ہے۔

رسول اللہ کا تصور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کیلئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے، یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں، آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات گرامی کا ادھورا اور نا تمام تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات پر آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔

ضروری تنبیہ

جب کسی لفظ کا ایک مفہوم اور اس کی مراد امت مسلمہ کے بتواتر استعمال کرنے اور اجماع

سے متعین ہوگئی ہو تو قرآن وحدیث میں اس لفظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لغت کی استعانت یا دیگر شواہد سے اس لفظ کے دوسرے معنی اور مفہوم مراد لے، مثلاً وحی کا لفظ ہے، لغت میں وہ کس معنی کیلئے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین ہمکلامی کے ہوتے ہیں، اس لئے جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء ورسل کے بارہ میں استعمال کیا جائے گا تو اس کے یہی معنی مراد لئے جائیں گے، یا مثلاً نبی کا لفظ ہے، یہ نبأ سے مشتق ہے اور لغت میں انباء کو ہر خبر کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہوتا ہے، تو نبی اللہ کے معنی (فعیل یعنی مفعول کا لحاظ کرتے ہوئے) یہ ہوں گے الذی نباہ اللہ یعنی جس کو اللہ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں، اس کے بعد اب ختمِ نبوت کے مفہوم اور معنی پر غور کیجئے۔

ختمِ نبوت کے معنی

ختمِ نبوت کا لفظ ہمیشہ سے امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے اس لفظ کا مفہوم صرف یہی سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے خواہ وہ کسی قسم اور کسی مرتبہ ہی کی کیوں نہ ہو ظلی ہو یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی ہر قسم کی نبوت ختم کر دی گئی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانیہ کو کمال وتکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

صرف لفظ کا استعمال کافی نہیں

اگر کوئی جماعت صرف ختمِ نبوت کا لفظ تو استعمال کرتی ہے مگر ان معنوں سے نہیں جن میں کہ عام مسلمان اس کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں تو محض اس لفظ کے استعمال کر لینے سے اس کو عام مسلمانوں کی جماعت میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ صرف جنت، دوزخ، نبوت اور معجزات کے الفاظ استعمال کرنے والے فلاسفہ کو صرف ان الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا جا سکتا ہے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ان الفاظ کا استعمال ان ہی معنوں میں کرتے ہیں جن میں کہ تمام مسلمان ان کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں، کیا نصاریٰ اور ہنود بھی توحید کا

اقرار نہیں کرتے؟ مگر کیا صرف لفظ توحید کے استعمال کر لینے سے ان کو اسلامی توحید کا معتقد کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنے انہی معنوں میں مانا جائے جن میں کہ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں مسلم رہے ہیں، صرف رسمی الفاظ کی نقالی بے سود ہے۔

ختم نبوت کی عقلی وجہ

سنت اللہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کامل کر کے ختم فرماتے ہیں، ناقص کو ختم نہیں فرماتے، نبوت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم نہ ہو بلکہ جاری رہے تو لازم آئے گا کہ ان کا خاتمہ نقصان پر ہو، ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فنا ہونا ضروری ہے، اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے، اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کیلئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں، اور اگر ناقص ہو تو خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فطرت عالم پر غور کیا جائے گا تو جزء و کل میں ایک حرکت نظر آئے گی، ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے، پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے، اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطۂ کمال کہلاتا ہے، انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر دم و علقہ و مضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطری کا کمال کہا جاتا ہے، پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو و نما نظر آتا ہے اور وہ دور شباب پر مکمل ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے۔ نباتات اور اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتا ہے، آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب وہ نمودار ہوتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے، اسی کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیوۃ ختم ہو جاتا ہے، آئندہ دور حیوۃ کیلئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دوہرانا پڑتا ہے جن میں سے گذر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا یعنی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے دور حیوۃ کو ختم کر جاتا ہے، اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃِ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو بھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز سبز

پتیاں، وہی ہری ہری لچکدار ڈالیاں مل جاتی ہیں، پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھل نمودار ہوتے ہیں، جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اسی طرح اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے، جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دوہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں جیسے کیلا کا درخت ہے۔

اسی طرح سمجھا جائے کہ عالمِ نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں، ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے، اس لئے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔

لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطۂ کمال کا ادراک بدرجہ اوّل ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے اس لئے ضروری ہے کہ قدرت خود اس کی کفالت فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء یہاں ختم ہوا ہے، وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے، قرآنِ کریم میں اس کا اعلان فرماتے ہوئے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے بعد فرمایا ہے وکان اللہ بکل شیء علیما یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری نبی کون ہے، یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے، ان میں اوّل کون ہے اور آخری کون ہے۔

نبوت نے اپنا مقصد پالیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا رسول نہیں آئے گا کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا تو وہ آپ سے افضل ہوگا یا مفضول، اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کیلئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔

لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہو چکی تھی اس لئے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ

بھی لگادی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ قصر نبوت کی بھی تکمیل ہوگئی ہے اور نبوت نے اپنا مقصد پالیا ہے۔

ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدا تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کرامت کیلئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا ہے، پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دین اسلام کامل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصاء عالم میں پھیل چکی ہے، خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کیلئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے اس لئے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اور اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں، اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔

ختم نبوت درحقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ اب کفر خواہ کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھانے سے بجھ نہیں سکتا، خدا کا اقرار اور اس کے صفات کی معرفت، غیب کا یقین اب مجموعہ عالم کا اس طرح جزو بن چکے ہیں اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہوگئی تو بس اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

بڑی غلط فہمی

یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے، ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے، البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی ہوتی مگر روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات سن کر تمنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

ایک مغالطہ

ایک مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوئی ہے، اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی، یہ

بھی انتہائی جہالت ہے، خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ سب سے آخری نبی ہیں، اس لئے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آ چکا تھا، اس لئے آپ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوت ختم ہوگئی تو اس کی دلیل بن کر آپ تشریف لائے ہیں اور اس معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کیلئے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور موخر ہو جاتا۔

فاحش غلطی

سب سے زیادہ فاحش غلطی یہ ہے کہ اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کیلئے ہوتی تھیں اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی، لیکن جب وہ نبی آ...... نبوت کسی خطہ، کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال...... جیسا کہ اس کی موجود کے زمانہ میں۔

آپ کا دورۂ نبوت دوسرے انبیاء کی طرح ختم نہیں ہوا، پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے ہاں نبی اور کوئی باقی نہیں رہا، جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے ۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست　　　　خم و خمخانہ با مہر نشاں ست

آپ کا تشریف لانا تمام جہان کیلئے رحمت ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خاتم بذات خود تمام جہاں کیلئے رحمت بن کر آ گیا ہے، اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راستہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔

بعثت عام اور ختم نبوت

اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بغیر رسول کے رہ

جاتی، یہ بجائے رحمت کے ایک اور زحمت ہوتی اس لئے جب نبوت کا ختم ہونا مقدر رہا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تا کہ رہتی دنیا تک تمام انسان کامل واکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا ناقص ہونا ثابت ہوتا (العیاذ باللہ) اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو قابل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

ظلی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے

تاریخ نبوت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں، ایک تشریعی دوسری غیر تشریعی اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو اب نبوت کی ایک اور تیسری قسم (ظلی، بروزی اور بالواسطہ نبوت) کا تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث میں کوئی ایک آیت اور ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی .... نے والی امت میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو اور نہ ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا نبی بتلایا...... جو کسی نبی کے واسطہ اور اس کی اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔

احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے بعد ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دی گئی ہے اور کسی تفصیل کے بغیر لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے اس لئے آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے، کسی حدیث سے ظلی، بروزی نبوت کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی، بہر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے؟ کیا آیت خاتم النبیین کے عموم میں محض اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کر کے قرآن کریم میں کھلی تحریف کا ارتکاب کر لیا جائے؟

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہد رفتہ کی چند یادیں

عزیزم ومکرم مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ (مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد صاحبؒ کی سوانح ''ماہ فضل وکمال'' نظر سے گذری اور ۲۵ سالہ پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور بعض امور کا مزید انکشاف بھی ہوا، اس سے پہلے ایک مضمون مولانا فضل محمد صاحب مرحوم کے بارہ میں ایک ماہنامہ میں پڑھ کر خوشی ہوئی تھی، اس کے بعد معلوم ہوا تھا کہ مولانا مرحوم کے بارہ میں مفصل سوانح لکھی جارہی ہے اس لئے اس کا اشتیاق رہا اب برخوردار مولوی عبدالقدوس ترمذی سلمہ نے سوانح دی تو احقر اس کے ملاحظہ سے مزید خوش ہوا، اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے مولانا فضل محمد صاحب ''ماہ فضل وکمال'' کا تعارف کرایا۔ کتاب میں تصویر کے طبع ہونے سے افسوس ہوا، یہ شرعاً تو غلط ہے ہی ہمارے اکابر اور بطور خاص صاحب سوانح کے ذوق کے بھی سخت خلاف ہے اس لئے آئندہ ایڈیشن میں اس کو ضرور حذف کر دیا جائے۔

اس کتاب میں والد گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی ترمذیؒ (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر یو۔ پی ہندوستان) کے بعض خطوط شائع کرکے مزید مسرور کیا گیا ہے، اس تقریب سے احقر کو بھی اپنی کہانی، ان خطوط کا پس منظر اور متعلقہ واقعات مزید افادہ کیلئے مختصر طریقہ سے پیش کرنے کا موقع مل گیا جو ذیل میں سپرد قرطاس کئے جارہے ہیں۔

افتتاح دورۂ حدیث شریف

(قصہ یہ ہوا تھا کہ) حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم نے اپنے مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں دورۂ حدیث شروع کرکے اس کو بدرکامل بنانا چاہا تو حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے شیخ الحدیث کیلئے دیوبند مشورہ کیا، حضرت مفتی صاحبؒ موصوف کے مشورہ کے بعد سفارشی خط

لے کر مولانا مرحوم خود حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے تھے، ان دنوں حضرت والد صاحبؒ کے زیر اہتمام دو عربی مدرسے چل رہے تھے ایک ''مدرسہ حقانیہ'' کے نام سے شاہ آباد ضلع کرنال میں دوسرا اجپورہ ریاست پٹیالہ میں ''عربی مدرسہ'' کے نام سے، اس میں جناب استاذی مولانا سمیع اللہ خان صاحب مرحوم برادر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ بھی ایک عرصہ تک بطور مدرس عربی قیام پذیر رہے ہیں اور احقر کے بھی ابتدائی اساتذہ میں سے بڑے ہی مشفق استاذ تھے۔

۱۶؍رجب المرجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی وفات ہو چکی تھی شوال ۱۳۶۳ھ میں حضرت والد صاحبؒ کا تقرر مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں بطور شیخ الحدیث ہوا (احقر کا داخلہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہو چکا تھا مگر بقرہ عید کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے فقیر والی اپنے پاس ہی بلا لیا تھا) بخاری شریف وغیرہ صحاح ستہ کے بعض اسباق کے علاوہ احقر کی جلالین شریف کا سبق بھی حضرت والد صاحبؒ کے پاس ہی ہوتا تھا۔ اس وقت کے دورہ کے شریک طلباء میں سے مولانا قطب الدین صاحب کا نام یاد ہے، کچھ دنوں کے بعد جناب مولانا ظہور احمد صاحبؒ دیوبندیؒ عم زادہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو بھی قاسم العلوم میں بطور مدرس بلا لیا گیا تھا، ان دنوں وہ دارالعلوم دیوبند سے جامعہ ڈابھیل مدرس ہو کر چلے گئے تھے، مولانا مرحوم بڑے فاضل، منکسر المزاج اور دارالعلوم دیوبند کے پرانے ماہر اساتذہ میں تھے بعد میں جامعہ اسلامیہ میں مدرس ہو گئے تھے ان کے پاس دورہ کے اسباق میں سے ابوداؤد شریف کے سبق کے علاوہ احقر کی مشکوٰۃ شریف کا سبق اور ہدایہ اخیرین اور منطق کا ایک سبق تھا، حضرت مولانا مرحوم سے احقر نے مشکوٰۃ شریف مکمل پڑھی ہے فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب میں میرے استاذ مولانا مناظر احسن گیلانی ہیں، اس نسبت سے مولانا مناظر احسن صاحبؒ احقر کے دادا استاذ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہدایہ اخیرین کے غالباً باب السلم کی ابتداء میں احقر نے اپنی کم فہمی سے کوئی سوال کر دیا مولانا مرحوم نے جواب دیا مگر احقر کی سمجھ میں نہیں آیا، سوال و جواب کا سلسلہ طویل ہو گیا تو مولانا مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائیں) نے فرمایا کہ مفتی صاحب سے بات کریں گے، چنانچہ دوپہر کے کھانے پر مولانا مرحوم نے خود ہی حضرت والد صاحبؒ کے سامنے اختلافی بات پیش فرمائی کہ یہ یوں کہتا ہے میں یوں کہتا ہوں ہمارا

اختلاف ہوگیا ہے، حضرت والد صاحبؒ نے اس عبارت کے متعلق ایک مختصر سی ایسی جامع بات فرما دی کہ ہم دونوں کا اختلاف ختم ہوگیا، یہ مولانا کی منکسر المزاجی تھی ورنہ احقر کی ان کے سامنے حیثیت ہی کیا تھی۔ اسی سال ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ کو احقر کے ماموں عبد المجید مرحوم کا انتقال راجپورہ کے قریب ایک گاؤں ''اڑدن'' میں ہوگیا، یہی گاؤں ہماری ننھیال کا گاؤں تھا اور یہ عجیب گاؤں تھا کہ اس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی حضرت والد صاحبؒ نے تشریف لے جانے پر راضی کرلیا تھا اور آپ ازراہ شفقت ۱۳۴۱ھ میں وہاں تشریف لے گئے تھے۔ راجپورہ کے بازار میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا وعظ ''شرط التذکر'' آیت انما یتذکر اولو الالباب پر ہوا، غیر مسلم سامعین بھی شریک تھے اور وہ بھی محظوظ ہورہے تھے، حضرت والد صاحبؒ نے ہی اس کو لکھا تھا، دوسرا وعظ اس سفر میں انبالہ شہر میں حدیث انما شفاء العی السوال پر ہوا، اس کا نام ''شفاء العی'' ہے یہ بھی حضرت والد صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے، یہ دونوں وعظ مطبوعہ ہیں اور ملتے ہیں والحمد للہ علی ذلک، اس گاؤں میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا ظہور احمد صاحبؒ بھی تشریف لے گئے تھے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ ماموں صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر پر حضرت والد صاحب فقیر والی سے اڑدن تشریف لائے احقر بھی ہمراہ تھا، کچھ دنوں بعد احقر کی خالہ صاحبہ کا انتقال بھی وہاں ہی ہوگیا جو کہ اپنے بھائی کے انتقال کی خبر سن کر اڑدن ہی میں آئی تھیں اور ان کے انتقال کے ہفتہ بعد احقر کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا انتقال بھی وہاں ہی ہوگیا، بیس یوم میں تینوں بھائی بہن (رحمہم اللہ وغفر لہم) اس دنیا سے رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انگریزی زبان کی تنگ دامانی

لطیفہ: زبان انگریزی کی تنگ دامانی کا حال یہ ہے کہ احقر اڑدن سے راجپورہ اسٹیشن پر خالہ کی وفات کی فقیر والی تار کے ذریعہ اطلاع کرنے آیا، یہ اسٹیشن جنکشن تھا، سرہند شریف، لدھیانہ، لاہور کیلئے بھی اور پٹیالہ، بھٹنڈہ، سمہ سٹہ کیلئے بہاولنگر جانے کا راستہ یہی تھا پھر وہاں سے فقیر والی جایا کرتے تھے، راجپورہ میں اسٹیشن ماسٹر کو خالہ کی انگریزی نہ ملی ڈکشنری دیکھتے رہے مگر کوئی لفظ نہ ملا، آخر یہ ہوا کہ والدہ کی بہن کے لفظوں سے خالہ کے انتقال کی خبر دی گئی، یا شاید حضرت والد کی طرف سے بیوی کی بہن کے الفاظ

لکھے گئے تھے، یہ حال ہے انگریزی زبان کی وسعت کا جس پر ہمارے آج کل کے اچھے اچھے سمجھدار نوجوان لٹو ہو رہے ہیں اور اس کو بین الاقوامی زبان کہا جاتا ہے وہ حالانکہ ایک خاندان اور کنبہ کے ناموں کے بتلانے سے بھی قاصر ہے اور اس کو ایک قبیلہ کی زبان کہنا بھی زیبا نہیں معلوم ہوتا فیا للعجب۔

انگریزی تعلیم کی قباحت

مجملہ زبانوں کے یہ بھی ایک زبان ہے اور تبلیغ کیلئے ہر ملک کی زبان سیکھنی فرض کفایہ بھی ہوسکتی ہے مگر کیا ضروری ہے کہ ہر شخص یا ہر عالم اس کے پیچھے لگا رہے اور اس کی فضیلت اور منقبت کے گیت گانے میں ہی مصروف رہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہر عالم مبلغ بن سکتا ہے اور غیر ملکوں میں تبلیغ کی اہلیت اور شرائط ہر ایک کو حاصل ہیں، پھر اس زبان کے سیکھنے سے کیا مقصد یہی تبلیغ دین ہی ہوتا ہے یا سرکاری عہدہ اور مناصب کا حصول مطمحِ نظر ہوتا ہے اور اکثر دیکھنے میں یہی آ رہا ہے کہ اس زبان کی تحصیل کے بعد اچھے اچھے ذی استعداد علماء جنہوں نے آٹھ آٹھ سال قومی چندوں سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا ہوتا ہے اور ان سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ وہ قوم کی آرزوؤں کے مطابق دینی خدمات انجام دیں گے اور اپنے اساتذہ کرام اور محسنین عظام کی تمناؤں کو پورا کریں گے مگر ان کا مقصود صرف اور صرف معاش کا مسئلہ ہے جو سب سے مقدم ہو جاتا ہے اور "وہ بس ایک معزز پیٹ ہے" کا مصداق بن کر رہ جاتے ہیں اور جو کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے اسے دل سے صاف بھلا دیا کہہ دیتے ہیں۔ پھر زباندانی تک ہی نہیں اس سے بڑھ کر بول چال، لباس اور طرز معاشرت بھی انگریزی ہو جاتی ہے وہ صرف انگریزی زبان ہی نہیں سیکھتے تمام تر انگریزیت کو اپنا لیتے ہیں اور سر سے پاؤں تک انگریزیت میں ڈوبے ہونے کے باوجود انگریزوں کی مخالفت کا بڑے زور سے زبان پر دعویٰ ہوتا ہے اور لمبی چوڑی تقریریں بھی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ پھر ان کو مدارس عربیہ کے صرف عیوب ہی عیوب نظر آنے لگتے ہیں، مدارس کی کوئی خوبی ان کے پیش نظر نہیں رہتی، اس احسان فراموشی کی مثال شاید ہی دوسرے اداروں کے فارغین میں کہیں ملتی ہو کہ سب کچھ سیکھا مدارس عربیہ میں (سوائے انگریزی طرز معاشرت اور زباندانی کے) اور گایا کالجوں کا، سنا تو یہ تھا کہ جس کا کھائے اس کا گائے مگر یہاں الٹی ہی گنگا بہہ رہی ہوتی ہے کہ کھایا مدارس عربیہ کا اور گایا جاتا ہے اسکولوں اور کالجوں کا۔ والی اللہ المشتکی۔

حضرت والد صاحبؒ کے مکتوبات میں راجپورہ اور اڑدن کا ذکر آیا ہے اس لئے ان دونوں کا تعارف کسی قدر راحقر کی اس تحریر میں آ گیا ہے۔

والدہ صاحبہ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا منظور احمد صاحب مرحوم بھی اس گاؤں میں تعزیت کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے، چونکہ حضرت والد صاحبؒ اسی گاؤں میں قیام پذیر تھے ہمارے ماموں کے مکان کے متصل مسجد تھی اس کے متصل حجرہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کا قیام تھا، اسی مسجد میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی نمازیں ادا فرمائی تھیں جب وہ وہاں تشریف لے گئے تھے۔

علمی مذاکرات

حضرت والد صاحبؒ کے حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت ہی بے تکلفانہ برادرانہ مراسم تھے صحیح تو یہ ہے کہ ان کی جھلک بھی تحریر میں نہیں دکھلائی جا سکتی وہ تو دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی تھی، دونوں حضرات کے آپس میں علمی مذاکرات بہت ہوا کرتے تھے اور خوب مجلسیں ہوا کرتی تھیں، اس حجرہ میں بھی مسئلہ وراثت میں کچھ گفتگو ہوئی تھی، مسئلہ زیر بحث پوری طرح یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ زیر بحث مسئلہ ایسے مورث کے بارہ میں تھا جس کے ورثاء کی فوتگی کی ترتیب معلوم نہ ہو تو اس کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ حضرت والد صاحبؒ نے اس کا جو جواب دیا حضرت مفتی صاحب نے بہت مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا تھا، جزاھما اللّٰہ تعالٰی۔

علم میراث میں مہارت

حضرت والد صاحبؒ کو حق تعالٰی جل شانہ کے فضل وکرم سے مسئلہ وراثت میں بہت ہی مہارت حاصل تھی، زمانۂ قیام تھانہ بھون میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ دیوبند سے تھانہ بھون میں اکثر مشاورت کیلئے استفتاء ہمراہ لے کر آیا کرتے تھے اور شب میں دونوں مشورہ کر کے جوابات لکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے استفتاء کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر تھوڑی دیر میں حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تو ہو گئے اور ہوں تو وہ بھی لائیے، حضرت مفتی صاحبؒ نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ اتنے فتاویٰ اتنی جلدی کیسے لکھ دیئے؟ دیکھا تو ان میں زیادہ تعداد ایسے استفتاء کی تھی جن میں تنقیحات کی ضرورت تھی

حضرت والد صاحبؒ نے ان پر تنقیحات لکھ دیں تنقیح سے جواب نہیں دیا فتوی کا اصول بھی یہی ہے کہ سائل سے پہلے شق کی تعیین کرائی جائے ورنہ وہ اپنی پسند کی شق پر جواب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا، حضرت مفتی صاحب بہت ہی خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی اپنے والد صاحب مرحوم کی ازواج کے مہروں کی تقسیم کا مسئلہ جو عرصہ گذر جانے کی وجہ سے بہت سے بطون پر مشتمل اور نہایت طویل تھا حضرت والد صاحبؒ کے ہی سپرد فرمایا تھا۔

اسی سفر میں راجپورہ مسجد مہندر گنج متصل اسٹیشن میں شب میں حضرت والد صاحبؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا وعظ کہلایا اور ابتداء میں خود بھی بہت زوردار تقریر مرزا محمود قادیانی کے خلاف کی ،اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وہاں آنے والا تھا، حضرت مفتی صاحبؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ مجھے بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آج شیخ کو اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے اب اس کی وجہ معلوم ہوئی۔ راجپورہ سے فقیر والی تک یہ سفر اکٹھے ہوا، احقر اور میاں محمد رضی مرحوم حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادہ بھی ہمراہ تھے، ان دنوں حضرت مفتی صاحبؒ ایک رسالہ رسم الخط پر لکھ رہے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خوب بحث ہوتی رہی اور ریل میں وہ رسالہ فقیر والی کے سفر میں مکمل ہوا تھا۔

عکس حضرت مدنیؒ

حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ احقر کا قیام سالانہ امتحان شعبان ۱۳۶۳ھ تک مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں ہی رہا، مولانا فضل محمد صاحبؒ کی طبعی تواضع اور خدمت کا جذبہ قابل دید تھا جو پہلے خانقاہ تھانہ بھون کی تعلیم بعد میں حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تواضع کی عملی تصویر اور عکس تھا، حضرت والد صاحبؒ کی علمی عظمت اور شیخ الحدیث کے منصب کا لحاظ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ خصوصی نسبت کا جتنا بھی خیال رکھا جاتا وہ اپنے محل میں تھا مگر احقر جو ہر طرح سے خورد اور طالب علم تھا اس کے ساتھ بھی بہت ہی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، صبح کے وقت گھی کا پراٹھا اور انڈہ بنوا کر گھر سے خود ہم دونوں کیلئے لاتے اور بڑی محبت سے کھلا کر برتن خود ہی واپس لے جاتے، یہ کام کسی طالب علم سے بھی لیا جا سکتا تھا مگر مولانا مرحوم کی یہ اپنے بڑوں کے حق عظمت کی ادائیگی اور خوردوں کے ساتھ شفقت کا اظہار تھا جو ہم سب کیلئے سبق آموز اور اسوہ بنانے کے قابل ہے وأنّی لنا ذلك۔

ہمارے اب کے مولانا محمد قاسم سلمہ اس وقت صرف محمد قاسم تھے اور بہت چھوٹی عمر میں تھے، ایسی خدمت بجالانے کی عمر میں نہ تھے لیکن اب یہ سن کر خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنے والد گرامیؒ کے نقش قدم پر ہیں اور اپنے بڑوں کا حق عظمت ادا کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے میں دریغ نہیں کرتے سلمہم اللہ تعالیٰ وابقاہم۔اسی دور کا واقعہ یاد آیا جب ہم ان سے نام پوچھتے تو وہ بجائے محمد قاسم کے اپنا نام قاسم العلوم یعنی مدرسہ کا نام بتلایا کرتے اور ہم سب کیلئے لطف اندوز ہونے کا سامان بن جاتا، خوب ہنسی ہوتی اس وقت محمد قاسم اور قاسم العلوم میں کوئی فرق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو تھے ہی ایک جان دو قالب، ماشاءاللہ بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ نے قاسم العلوم کو جامعہ بنادیا، وللّٰہ الحمد،اللّٰہم زد فزد۔

امامت اور تجوید و قراءت کی تدریس

حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ کی شفقتوں ہی کا اثر تھا کہ احقر کو بعض طلباء دورۂ حدیث اور بعض اساتذہ کرام درجہ قرآن کریم کو "مقدمہ جزریہ" تجوید میں پڑھانے کیلئے سپرد فرمایا، اپنی نا اہلی کے باوجود حسب استطاعت احقر نے یہ خدمت انجام دی اور مسجد کا جو اس وقت چبوترہ ہی تھا اس پر جماعت کرانے کیلئے بھی احقر ہی کو حکم دیا، کئی ماہ تک حسب الحکم یہ خدمت بھی انجام دی، مسجد کی تعمیر ہمارے بہت بعد ہوئی۔

حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ

شعبان ۱۳۶۴ھ میں سالانہ امتحان کیلئے دیوبند سے حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ تشریف لائے، چونکہ مدرسہ دیوبند کی شاخ اور اس سے ملحق تھا اس امتحان پر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مل جاتا تھا اور دارالعلوم میں داخلہ کی دشوار ترین گھاٹی سے گذرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی، چنانچہ احقر ناقص العلم والفہم کا دارالعلوم میں داخلہ بھی اسی امتحان اور حضرت کشمیریؒ کی سعی سے ہی ہوا تھا ورنہ ہماری ایسی استعداد کہاں تھی کہ ہم وہاں کے امتحان داخلہ کی وجہ سے داخلہ حاصل کرسکتے، ہم جیسے تو وہاں فیل ہی تھے، یہ حضرت مولانا کشمیریؒ کا احقر پر ایسا احسان ہے جو کہ تمام عمر یاد رکھنے کے لائق ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، اس کا صلہ بجز دعاء خیر کے کچھ بھی نہیں دیا جا سکتا، عجیب بات ہے کہ مولانا کشمیریؒ نے فقیر والی میں ہی ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سے ملاقات کی تھی مگر اس ایک ہی دفعہ کی ملاقات میں

اس قدر متاثر ہوئے کہ خیر المدارس ملتان میں جب بھی ملنا ہوتا اور سال میں ایک مرتبہ تو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ملاقات وزیارت ہو ہی جاتی تھی تو ملتے ہی حضرت والد صاحبؒ کی ذہانت، فطانت نیز متانت اور بارعب چہرہ کا ذکر بڑی محبت سے وقیع انداز میں فرمایا کرتے تھے اور یہ معمول آخر تک رہا۔ حضرت علامہ مولانا محمد شریف کشمیریؒ اگرچہ احقر کے باقاعدہ استاذ نہیں تھے مگر انہوں نے امتحان لیا تھا، ممتحن بھی چونکہ استاذ ہی ہوتا ہے اس حیثیت سے وہ میرے اساتذہ میں ہی ہیں۔

جامعہ قاسم العلوم فقیروالی میں اس وقت بھی کتب خانہ بہت عمدہ اور بڑے کتب خانوں میں شمار تھا، مولانا فضل محمد صاحبؒ کو کتابوں کے جمع کرنے کا بہت ذوق اور سلیقہ تھا اور رب کریم کی کرم نوازی تھی۔

ایک کمیاب کتاب

ایک کتاب اس وقت کی وہاں دیکھی ہوئی اب تک مجھے دستیاب نہ ہو سکی، اس کا نام ''الفرقان بین موجبات الکفر والایمان'' ہے، اس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خط و کتابت بھی ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ وغیرہ اکابر کے بعض اشخاص کے بارہ میں فتوے بھی ہیں، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے بارہ میں بھی ایک فتویٰ ہے حضرت والد صاحبؒ کے بھی اس پر دستخط ہیں، یہی خط و کتابت زیادہ تر سید سلیمان ندویؒ کے حضرت حکیم الامت سے تعلق کا سبب بنی اس کے بعد حضرت سید صاحبؒ حضرت حکیم الامت کی بارگاہ عالیہ میں آئے اور ندوی سے تھانوی بنے پھر وہاں کے ہی ہو کر رہ گئے، آخر عمر تک اسی نسبت تھانوی کا حق ادا فرماتے رہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

شان جامعیت

ایک دوسری کتاب حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادیؒ (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث بھی ہوئے) کی تراجم بخاری پر ہے، احقر کا خیال تھا کہ یہ کتاب وہاں رہ گئی ہے مگر حضرت مولانا مرحوم نے اس کا انکار فرمایا اور تنبیہ کے لہجہ میں جواب تحریر فرمایا جس کا آں موصوف کو ہر طرح حق تھا، آج تک وہ کتاب دوبارہ نہیں ملی ویسے سنا ہے کہ وہ دوبارہ شائع ہوگئی ہے اور اب ملتی ہے، اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ یہ حضرات جامع ہوتے ہیں جس طرح وہ متواضع اور منکسر المزاج

ہوتے ہیں اسی طرح اگر تربیت کیلئے تنبیہ اور زجر کی ضرورت ہو تو چشم پوشی اور عرفی تواضع سے کام نہیں لیتے بلکہ اس کا بھی حق ادا کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اخلاص اور صلاح کیلئے ہوتا ہے۔

پھر اب تک فقیر والی حاضری کی نوبت نہیں آئی، کئی دفعہ دل چاہا کہ جنگل بیابان میں اب سے ۵۲ سال پہلے جس قاسم العلوم کو اس کے ابتدائی دور میں دیکھا جبکہ عمارتیں کچی تھیں اور ڈگی کا پانی استعمال ہوتا تھا، جب بہاولنگر سے ریل آتی تھی تو گھڑا اٹھا کر بھاگا کرتے تھے کہ انجن سے پینے کا میٹھا پانی حاصل ہو جائے اور اس سے استفاضہ اور افاضہ کی نوبت آئی، اب اس کی خوشحالی تعمیری ترقی کی حالت میں بھی اس کو دیکھوں مگر اب بیماری اور اس عمر میں سفر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے اور کہنے کو دل چاہتا ہے لیت الشباب یعود ولیکن وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز۔

مکاتیب حضرت والد صاحبؒ

حضرت والد صاحبؒ کا پہلا مکتوب گرامی تو خانگی حالات کی اطلاع پر ہی مشتمل ہے اور مولانا ظہور احمد صاحب وغیرہ اساتذہ و متعلقین جامعہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعاؤں کا تذکرہ ہے، یہ مکتوب فقیر والی سے تعطیلات میں راجپورہ واپس آ کر لکھا گیا ۷ار رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کی تاریخ اس پر ثبت ہے، احقر کے راجپورہ میں قرآن شریف سنانے کا ذکر بھی "قاری صاحب راجپورہ میں قرآن شریف سنا رہے ہیں" کے الفاظ کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ حضرت الشیخ مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے بعد دیوبند جلد جانے کے دلی تقاضا اور حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے وصال پر ان کے ساتھ خصوصی تعلقات کی وجہ سے ان کے یہاں جانے کی ضرورت کا اظہار فرمایا گیا ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فقیر والی جلد واپسی کا ارادہ ہونے کی وجہ سے وقت میں گنجائش نظر نہیں آئی اور سفر کے طویل ہونے کا عذر مزید تھا یا ارادہ شاید پورا نہیں ہو سکا۔ دوسرا مکتوب گرامی اس سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں احقر کے بخار وغیرہ کی تکلیف اور علاج کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے اپنے ساتھ فقیر والی لے گئے تھے۔

سرہند شریف جس میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا مزار ہے، بہت ہی مختصر آبادی رہ گئی تھی اس کے متصل ہی ایک بڑا قصبہ بسی کے نام سے ہے اس لئے دونوں کو ملا کر سرہند بسی مشہور ہو گیا اسی جگہ کے

حکیم صاحب کا اس مکتوب میں ذکر فرمایا گیا ہے۔تیسرے مکتوب گرامی میں احقر کے دیوبند چلے جانے کی اجازت کا ذکر ہے،فقیر والی سے آنے کے بعد شوال ۱۳۶۳ھ میں میرا داخلہ دیوبند میں ہوا تھا اس میں ہفتہ عشرہ تک فرصت ہونے پر فقیر والی آنے کے ارادہ کا اظہار ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ ۲۰ رشوال تک پہنچنے کا مہتمم صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔اس مکتوب گرامی میں طلباء کے چھوٹے اسباق کے شروع کرادینے اور بڑے اسباق کے متعلق ۲۱ رشوال کو تجویز وتقسیم کی اطلاع دی گئی تھی اور ۲۲ رشوال کو اسباق شروع کرنے کے متعلق لکھا تھا مگر ہوا یہ کہ دورہ کے متعلق مہتمم صاحب مرحوم نے جو یہ تحریر فرمایا تھا کہ اس کا سلسلہ یہاں نہ رکھا جائے اسی کے مطابق عمل کیا گیا اور طلبہ کو دیکھ کر شوال میں مشورہ کا جو خیال تھا اس کا موقع نہیں رہا اور حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم خود راجپورہ تشریف لائے اور سامان واپس کر گئے۔

حضرت والد صاحب کو دورہ کیلئے بلایا گیا تھا جب وہ سلسلہ نہ رہا تو قدرتی طور پر آپ وہاں تشریف نہ لے جاسکے اور نہ احقر کا جانا ہوا۔تقسیم کے بعد حضرت والد صاحبؒ کی وفات ۱۹۴۹ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں ہوئی اس کے ایک عرصہ بعد ایک مرتبہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں مولانا فضل محمد صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے کلمات تعزیت اور تاسف کا اظہار فرمایا۔

مکتوب گرامی بنام احقر

عرصہ ہوا جب تفسیر ”جواہر القرآن“ پر احقر کی تالیف ”ہدایۃ الحیران“ طبع ہوئی اور ماہنامہ البلاغ کراچی میں اس پر تبصرہ شائع ہوا تو اس وقت حضرت مولانا مرحوم نے از راہ شفقت وعنایت احقر کو ذیل کا مکتوب گرامی تحریر فرمایا جو احقر کیلئے باعث سعادت ہے،اس کا ایک ایک لفظ موصوف کی تواضع اور خورد نوازی کا آئینہ دار ہے۔

عزیز القدر مولانا مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی زید مجدہ!

سلام مسنون مزاج شریف؟

امید ہے کہ آپ مع متعلقین ہر طرح بعافیت ہوں گے،گذارش اینکہ ماہنامہ البلاغ بابت ماہ صفر ۱۳۹۱ھ میں آپ کی تالیف ”ہدایۃ الحیران“ پر تبصرہ نظر افروز ہوا پڑھ کر بڑی مسرت اور بہجت حاصل ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بڑا علمی مقام عطا فرمایا ہے،ایسی علمی کتاب پر انتقاد کیلئے بڑے علم

وفضل، غیر معمولی ذکاوت وذہانت اور بے پناہ ژرف نگاہی وباریک بینی کی ضرورت ہے، حق تعالیٰ نے یہ سب اوصاف آپ میں بدرجہ اتم جمع فرمادیے ہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ آپ اس دور میں جب کہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ ادارہ ہذا میں شیخ الحدیث تھے مدرسہ ہذا میں زیر تعلیم تھے، ہمارے لئے اس میں مسرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ادارہ ہذا میں پڑھنے والا ایک طالب علم اتنے بڑے علمی منصب پر فائز ہو چکا ہے، آپ سے سابقہ مراسم وروابط کی وجہ سے امید تھی کہ آپ اس کا ایک نسخہ ادارہ ہذا کیلئے بھی ارسال فرمادیں گے، شاید ہمارا نام آپ کی لوح ذہن سے ہی محو ہو چکا ہو، اب آپ اولین فرصت میں ''ہدایۃ الحیران'' ایک عدد بذریعہ وی پی ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

فضل محمد غفرلہ مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

حضرت مولانا کا یہ مکتوب مورخہ ۹ر ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو موصول ہوا احقر نے گرامی نامہ ملتے ہی کتاب ارسال خدمت کردی تھی، افسوس کہ اس کے بعد پھر کبھی خط وکتابت کا موقع نہ ملا اور نہ ہی کسی اور جگہ حضرت مرحوم سے ملاقات ہوئی تا آنکہ یہ عظیم ہستی ۱۴۰۱ھ میں راہ ملک عدم ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون، اعلی اللہ درجاتہ فی اعلی علیین، آمین۔

قیام پاکستان کے بعد اب تک پھر دوبارہ قاسم العلوم بھی حاضری کا موقع نہیں ہوا، کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود بہت دل چاہتا ہے کہ وہاں حاضر ہو کر ایک مرتبہ پھر جامعہ، اس کے کتب خانہ اور اساتذہ کرام اور طلبہ کو دیکھوں اور نصف صدی پہلے کے حسین مناظر کی یاد سے دل کو خوش کروں، اور وہاں بیتے ہوئے خوش گوار ایام یاد آنے پر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

اِذْ تَذَكَّرْتُ اَيَّامًا لَنَا سَلَفَتْ اَقُوْلُ بِاللّٰهِ يَا اَيَّامَنَا عُوْدِيْ

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ضرور کسی موقع پر دل کی یہ دیرینہ خواہش بھی پوری ہوگی واللہ الموفق والمعین۔ مولانا مرحوم کی سوانح دیکھی تو عہد رفتہ کی یہ چند یادیں ذہن میں گھوم گئیں دل نے چاہا کہ آپ کو بھی اس میں شریک کرلوں سردست انہیں پر اکتفا کرتا ہوں، آپ کیلئے جامعہ کیلئے اور حضرت موصوف اور تمام اکابر کیلئے دل سے دعا گو ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔ فقط والسلام

۱۸ر ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

یادِ رفتگاں مولانا قاری محمد شفیق پانی پتی جھنگ

شیخ القراء قاری فتح محمد پانی پتیؒ (قسط۲)

حضرت کا حافظہ بے مثال تھا

حضرتؒ نے جیب سے ایک کتابچہ سا نکالا جو قرآن مجید کا تفسیری خلاصہ تھا، وہ خلاصہ تفسیر بندہ کو عنایت فرمایا نیز فرمایا کہ سن (اب یہ کشتی مدرسہ کا آغاز ہوگیا ہے) حضرت نے سنانا شروع کردیا اور بندہ ورق گردانی کرتا رہا، حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ فلاں آیت سے فلاں آیت تک یہ مضمون اور فلاں آیت سے فلاں آیت تک فلاں مضمون ہے، اس کے ختم ہونے تک آرام کا تقاضا ہوگیا، جب نیند کا غلبہ ہوا تو بندہ کو بھی حکم فرمایا کہ تو بھی لیٹ جا چنانچہ بندہ بھی اس سرخ شنیل کے گدے پر دراز ہوگیا، ٹکٹ چیکر نے میرے بارہ میں جھگڑا کرنے کی کوشش کی اس کی سیٹ تو ریزرو نہیں ہے تو حضرتؒ نے فرمایا میری سیٹ ریزرو شدہ ہے میں نے بھی خالی کردی ہے نیچے بیٹھا ہوں آپ کو اگر اس سیٹ کی بھی ضرورت ہے تو یہ بھی لے لیں تو وہ خاموش ہوکر آگے کو چلا گیا، حضرتؒ پھر اسی طرح سننے سنانے میں مشغول ہوگئے، کچھ آرام فرمایا یہاں تک کہ روہڑی اسٹیشن آگیا اور اتر گئے۔

حضرت سکھر شہر میں تشریف لے گئے، اس شہر میں حضرتؒ کے مریدین کا خاصا حلقہ تھا، یاد پڑتا ہے کہ حضرتؒ سیدھے موتی مسجد میں تشریف لے گئے کہ اس مسجد کے خادم جناب نذیر احمد صاحب مسجد کی صفائی اور اس کی صفوں کے جھاڑنے میں مشغول تھے، پھر حضرت نے ہی نماز فجر کی امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔

الحاصل پوری رات سفر میں گذری اور بے آرامی رہی مگر حضرتؒ پر سفر کی تھکاوٹ یا سستی کے اثرات یا نیند کا غلبہ ہو قریب کو بھی یہ بات نہ تھی، مجھ جیسے ناکارہ کی حالت یہ تھی کہ نماز میں بس گرتے گرتے بچا۔

سکھر تھوڑا سا آرام کیا اور کچھ پڑھا، مریدین و احباب سے ملاقات ہوئی بعد ازاں پھر

سفر شروع کر دیا، دوران سفر راستہ میں ظہر کا وقت ہوگیا جب نماز کا وقت ہوا یعنی تقریباً ڈیڑھ بجا گھڑی پر ہاتھ پھیر کر بندہ کو آواز دی شفیق! بندہ نے عرض کیا جی! فرمایا مجھے وضو وغیرہ کیلئے بیت الخلاء چھوڑ آؤ، نیز فرمایا تو کسی سے قبلہ کا رخ معلوم کر کے مصلی بچھا، بندہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور مصلی بچھا دیا اتنے میں حضرت وضو فرما کر تشریف لے آئے بندہ نے حضرتؒ کو رخ بقبلہ کھڑا کر دیا، آپ نے صدائے حق یعنی اذان بلند آواز سے (بلا خوف لومۃ لائم) پڑھی پھر سنتیں ادا کیں، اتنے میں بندہ بھی وضو کر کے آ گیا، حضرتؒ نے امامت کے فرائض سرانجام دئے اور بندہ مقتدی بن گیا، لہٰذا دونوں استاد شاگرد نے نماز با جماعت ادا کی، ایک طرف تو حضرتؒ کی معذوری ہے اور دوسری طرف معذوری کے باوجود نماز با جماعت کا اس قدر اہتمام۔ علیٰ ہذا القیاس پورے سفر میں جیسے ہی کسی نماز کا وقت ہوتا گھڑی ٹٹولتے اور فرماتے شفیق! نماز کا وقت ہوگیا ہے نماز کی تیاری کرو مجھے بھی نماز کی تیاری کراؤ، درحقیقت یہ سفر بندہ کیلئے تو ایک سبق تھا کہ اگر نماز میں کوئی چھوٹ یا لچک ہوتی تو یہ معذور شخص اتنی پابندی اور اتنا اہتمام نہ کرتا۔

فکر نماز کا ایک اور عجیب واقعہ

کراچی سے واپسی پر شہدادپور کی طرف تشریف لا رہے تھے راستے میں نماز کا وقت ہوگیا اور گاڑی خوب تیزی میں تھی، دن کا ڈیڑھ بجا تھا حضرت نے آواز دی شفیق! جواباً عرض کیا جی! حضرت نے فرمایا نماز کا وقت ہوگیا لیکن جس ڈبے میں سوار تھے اس ڈبے میں پانی نہیں تھا دوسرا ڈبہ جو کھانے پکانے کا تھا اس میں پانی تھا، گاڑی تیز رفتاری میں ہوا سے باتیں کر رہی تھی اور اسٹیشن دور تھا اور عجیب اتفاق کی بات یہ تھی کہ دونوں ڈبے پشت کی طرف سے کھلے تھے مگر ملانے والے راستے میں پھٹے نہ تھے، اچھے بھلے بینا آدمی کیلئے بھی عبور کرنا مشکل تھا اور حضرت تو معذور تھے، فرشی پھٹے نہ ہونے کی وجہ سے گاڑی کا نچلا حصہ یعنی گاڑی کی لائن ظاہر تھی۔ ہاں اس سفر میں حجۃ القراء حضرت مولانا الحاج القاری محمد طاہر رحیمی مہاجر مدنی زید مجدہ بھی ہمراہی تھے، حضرت کو نماز پڑھے بغیر کہاں آرام آنا تھا، وضو بھی ضرور کرنا ہے اور اس ڈبہ سے اُس ڈبے میں ایک معذور آدمی جائے تو کیسے جائے، تو حضرت قاری محمد طاہر صاحب رحیمی زید مجدہ دوسرے ڈبے میں پھلانگے، بندہ راقم الحروف اِس ڈبہ میں

کھڑا ہوگیا اور حضرتؒ کو سمجھایا بتایا کہ حضرت اس اس طرح قدم کو ذرا پاٹ کر رکھنا چنانچہ اس طرف بندہ نے دست مبارک تھاما اور دوسری طرف حضرت حجۃ القراءۃ قاری محمد طاہر صاحب نے پوری ہمت کے ساتھ حضرت کو پکڑا، اس وقت جو گھبراہٹ ہمیں ہوئی وہ خدا کو معلوم کہ ہمارے دلوں پر کیا گذری ہوگی کہ یہ امانت امین العلوم ہم سے خدانخواستہ ضائع نہ ہوجائے نعوذ باللہ من ذلک بس اللہ اللہ کر کے حضرت کو اس طرف گذارا، حضرت نے وضو فرمایا، اذان دی اور نماز با جماعت ادا فرما کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون پہنچایا۔ باوجودیکہ ظہر کے وقت میں کافی گنجائش ہے اس دوران دوسرے اسٹیشن کا انتظار بھی کیا جاسکتا تھا مگر حضرتؒ کو شوق و فکر نماز نے بے چین کردیا۔

یہاں جھنگ صدر میں ایک سکول ماسٹر ہیں پرانے، جناب ماسٹر احمد علی صاحب وہ فرما رہے تھے کہ قاری عبدالباسط جیسا کوئی نہیں پڑھ سکتا نیز فرمایا اور قاری فتح محمد صاحبؒ قرآن میں غوطہ لگا کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

شہداد پور (سندھ) میں نزول اور مدرسہ حسینیہ کا امتحان

حضرتؒ مدرسہ حسینیہ میں تشریف لے گئے مدرسہ ہذا کا امتحان رات کے وقت لیا، بندہ کو بھی اس امتحان میں حضرتؒ کے خادم ہونے کی حیثیت سے امتحان لینے کا شرف حاصل ہوا اور کسی ایک درجے کا امتحان لیا یاد پڑتا ہے کہ قاری محمد یوسف صاحب مرحوم کے درجہ کا امتحان لیا تھا۔

اندازہ لگایئے کہ حضرتؒ کو قرآن مجید کے ساتھ کتنی محبت اور کتنا شغف تھا کہ سفر کی تھکاوٹ یا صعوبت ایک طرف اور عمر کا تقاضا ہے کہ آرام کیا جائے مگر قرآن مجید کے مقابلہ میں ہر چیز قربان ہے، ہر آرام ہیچ ہے اور ہر تکلیف برداشت ہے، مدرسہ ہذا اس وقت شہداد پور شہر کے اندر تھا، تقریباً اس وقت پانچ درجے یعنی پانچ اساتذہ کرام تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے اور مدرسہ ایک پرانی عمارت یعنی کسی پرانے مکان میں واقع تھا اور مدرسہ کے بالمقابل کی مسجد تھی جو مدرسہ کے زیر انتظام تھی، امتحان سے فراغت کے بعد کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام فرمایا، واللہ اعلم کتنا آرام فرمایا مگر صبح کو تہجد کے وقت بیدار ہوئے تہجد کے نوافل ادا کئے۔

بعد ازاں قاری عبدالرشید صاحب مدرس مدرسہ ہذا یہ امام مسجد بھی تھے کو ساتھ لیا، ان کا ہاتھ

پکڑا چلدئے، بندہ بھی ساتھ ہولیا، اب موجودہ جگہ پر جہاں مدرسہ حسینیہ ہے اس وقت اسکی صرف چاردیواری تھی اور ایک بڑا گیٹ لگا ہوا تھا، صفائی بھی نہ تھی اینٹیں وغیرہ یونہی پڑی ہوئی تھیں چلنا دشوار تھا، بہرحال حضرت علیہ الرحمۃ اس میں داخل ہوئے، بایاں ہاتھ آپ کا قاری عبدالرشید صاحب کے ہاتھ میں تھا اور آپ کا دایاں دست مبارک دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا دریں حالت آپ نے پڑھنا شروع کردیا اور چل پڑے، ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے آپ نے کیا پڑھا یہ حضرت کو یا اللہ تعالیٰ کو علم کہ کیا پڑھا، چلتے رہے اور کچھ گنگناتے رہے، چکر پورا کرلیا، یہ عمل آپ نے تہجد کے وقت میں کیا، بعد از فراغت کلی مسجد میں واپس تشریف لے آئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

جیسا کہ میں نے مذکورہ بالا سطور میں لکھا ہے کہ اس وقت مدرسہ ھذا میں چار یا پانچ اساتذہ کرام تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے مگر بندہ کا ۱۳، ۱۴ سال بعد مدرسہ ھذا میں بغرض امتحان جانا ہوا تو ۱۴ مدرسین کام کررہے تھے اور اب سنا ہے کہ ۲۰ سے اوپر مدرسین خدمت قرآن مجید کے عمل میں مصروف ہیں نیز درس نظامی کی تعلیم بھی دورہ حدیث تک پہنچ گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ حضرتؒ کے اس مخلصانہ عمل کا ہی نتیجہ اور برکت ہے کہ مدرسہ کہاں سے کہاں پہنچا ہے۔

شہداد پور سے چلے تو حیدرآباد محلہ لطیف آباد میں تشریف آوری ہوئی، کسی سے ملاقات کی اور جلد ہی چل پڑے، یہاں سے سفر شروع کیا کراچی پہنچے اور دارالعلوم کراچی اور نگی ٹاؤن کراچی نمبر ۱۴ کے درجہ قرآن مجید کا حضرت والا نے امتحان (سالانہ) لیا، شعبان ۱۳۹۰ھ کی پندرہ تاریخ تھی کیونکہ جب امتحان سے فارغ ہوئے کھانے کا وقت ہوا تو حضرت نے فرمایا آپ لوگ کھانا کھاؤ میرا روزہ ہے یہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء کا قصہ ہے

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دارالعلوم کی موجودہ جگہ میں اس وقت دو یا تین پختہ کمرے بنے ہوئے تھے اور درجہ قرآن مجید کے اساتذہ کرام عارضی کمروں میں جن کی چھت بانسوں کی تھی کام کررہے تھے، ان مدرسین میں جو اس وقت کام کررہے تھے ایک مدرس کا نام یاد ہے وہ تھے محترم جناب السید قاری عبدالواجد شاہ

صاحب ،اب وہ کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں واللہ اعلم بالصواب ، بندہ کو بھی اس وقت حضرت کے خادم ہونے کی حیثیت سے بچوں کا قرآن مجید سننے کا شرف حاصل ہوا۔

مدرسہ کے میدان میں اس وقت زیادہ تر جھاڑیوں اور ککریوں کا ڈیرہ اور بسیرا تھا، الحمدللہ ثم الحمدللہ اب اس جگہ طلبہ و علماء کرام کا بسیرا ہے اور عجیب ہی سماں ہے کہ دن رات علوم و معارف کی بارش و رحمت خداوندی کا نزول ہے، نجانے کتنے تشنگانِ علوم اس چشمۂ فیض سے اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور کتنے ہیں جو بہرہ ور ہو کر چلے گئے ہیں ۔ذات خداوندی سے امید ہے کہ یہ چشمۂ علم تا قیامت یونہی بنی نوع انسان کو فیضیاب کرتا رہے گا، آمین ۔

حضرت شاطبی دوراںؒ کا حافظہ

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم (زادھا اللہ شرفاوتعظیما) میں آپ باب صدیق کے قریب تشریف فرما ہوتے تھے، مرض فالج کی وجہ سے آپ کے جسم کا دایاں حصہ مفلوج تھا، زبان میں بہت زیادہ لکنت تھی حتی کہ کسی کو بات سمجھ نہیں آتی تھی ،البتہ آپ کے خادم خاص مولوی عبدالقادر متقی یا ان کے برادر خورد قاری محمد اطہر متقی ہی حضرت کی بات سمجھ سکتے تھے ورنہ بہ بسیار مشکل کوئی بات سمجھ پاتا تھا مگر خداوند قدوس نے آپ کے دماغ ، حافظہ اور یادداشت کو محفوظ فرمایا ہوا تھا ۔

قصہ یہ ہے کہ ایک سوڈانی قاری آپ کو قراءۃ کسائی میں قرآن مجید سناتے تھے تو اس کو جب سہو ہوتا، اختلاف چھوٹ جاتا، قرآن مجید میں بھولنے کی غلطی ہوتی تو حضرتؒ اپنا بایاں ہاتھ فوراً ہلا دیتے اور گویا تنبیہ فرماتے کہ غلط پڑھ رہے ہو، کیا مجال کہ کوئی غلطی رہ جائے ۔

بحمداللہ تعالیٰ بندہ راقم الحروف بھی انہی دنوں امریکہ سے واپسی پر برائے حج سعودی عرب آیا ہوا تھا حضرتؒ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اٹھارہ پارے اسی جگہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سنائے ، یہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو بھی شرف بخشا ہے ، یہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء کی بات ہے ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خیر جونہی کوئی خطا ہوتی حضرت فوراً بائیں بازو کو حرکت دے کر بطور تنبیہ فرمادیتے کہ غلط پڑھ رہے ہو، ذرا خیال سے پڑھو۔ (جاری)

مولانا محمد فیروز الدین شاہ ساہیوال

ماہِ صفر المظفر کے متعلق بدشگونیاں اور توہمات

بعد الحمد والصلوٰۃ! اسلامی سال قمری مہینوں سے وجود میں آتا ہے، یہ واحد سن وسال ہے جو چاند کی تاریخوں سے وجود میں آنے والے مہینوں پر مشتمل ہے ورنہ تمام دنیا میں تمام قوموں کے سنین شمسی مہینوں سے وجود میں آتے ہیں، قرآن میں چاند کو وقت کا پیمانہ قرار دیا گیا ہے اور چاند کے حساب سے ہی مسلمانوں کی بہت سی عبادات مثلاً روزہ، حج وغیرہ بجالائی جاتی ہیں۔ اسلام کی تمام عبادات سال کے بارہ مہینوں میں آنے والے موسموں کے اندر گردش کرتی رہتی ہیں مثلاً حج کبھی گرمیوں میں کبھی سردیوں میں اور روزے کبھی گرمی میں کبھی سردی میں آتے ہیں۔ اور یہ مہینے اس وقت سے بنائے گئے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق فرمائی، قرآن مجید میں ارشاد ہے ان عدۃ الشھور عند اللّٰہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللّٰہ یوم خلق السمٰوات والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم (التوبہ) حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے ہاں بارہ مہینے ہیں کتاب اللہ میں جب سے آسمان وزمین کی تخلیق کی، اس سے چار مہینے حرام ہیں یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔

فائدہ: اسی طرح دنوں کو مہینوں کے اندر منحصر کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ انسان اپنے ضابطہ حیات کو سمجھ سکے اور اپنے اوقات کو جانے کہاں مواقع پر کیا کرنا چاہئے۔

دورِ جاہلیت میں شرک، بت پرستی اور علم ہدایت سے دوری کی بنا پر عجیب وغریب توہمات، بداعتقادیاں اور جاہلانہ رسم ورواج جنم لے چکے تھے، ان کی قسمتوں کے فیصلے ستارے کیا کرتے تھے، نجوم، رمل اور طلسمات پر ان کا کاروبارِ زندگی چلتا تھا، ہر اونچی نیچی حرکت اور معمولی واقعہ سے مختلف قسم کے فال لئے جاتے مثلاً کسی دن کوئی حادثہ پیش آجاتا تو وہ دن ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نامبارک اور منحوس تصور کیا جاتا، غرضیکہ توہم پرستی اپنے عروج پر تھی۔

ان حالات میں جہاں اور کئی باطل تصورات موجود تھے وہیں ماہِ صفر کے بارے میں بھی ان

کے مخصوص بیہودہ اور فرسودہ نظریات وعقائد تھے جو کہ محض قیاس آرائیوں پر مبنی تھے، مثلاً صفر کے متعلق اہل عرب کا یہ گمان تھا کہ اس سے مراد وہ سانپ ہے جو انسان کے پیٹ میں بھوک کی حالت میں ڈستا ہے اور بسا اوقات اس کے ڈسنے سے اتنی سخت تکلیف ہوتی ہے کہ انسان مر جاتا ہے، نیز اہل عرب اس کو خارش کے مرض سے بھی زیادہ متعدی مرض سمجھتے تھے۔

بعض کے نزدیک صفر ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو جگر اور پسلیوں کے سروں میں پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا رنگ بالکل پیلا ہو جاتا ہے جس کو طب کی اصطلاح میں یرقان کہا جاتا ہے اور بسا اوقات یہ مرض انسانی موت کا سبب بن جاتا ہے، جبکہ بعض یہ کہتے ہیں صفر ایک مشہور مہینہ ہے جو محرم اور ربیع الاول کے درمیان آتا ہے لوگوں کا اس کے متعلق یہ گمان ہے کہ اس میں بکثرت مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں، نیز اہل عرب صفر کا مہینہ آنے سے بد فالی لیا کرتے تھے۔

ایسے حالات میں اسلام نے آکر پورے عالم کو چی، واضح اور محکم تعلیمات سے سرفراز فرمایا اور اس قسم کے تمام بے بنیاد اور غلط نظریات وتصورات کا قلع قمع کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باطل خیالات کی پر زور تردید کی اور فرمایا کہ صفر کی نحوست کوئی چیز نہیں ہے (بخاری) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بد فالی ایک شرک ہے اس کو تین مرتبہ فرمایا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں ایسا کوئی نہیں جس کو خیال نہ آتا ہو لیکن اس کو توکل کے ذریعہ بھگا دیتا ہے (ابوداؤد وترمذی)

ان واضح ہدایات کے باوجود دین کے صحیح علم سے ناواقفی کی بنا پر ہمارے زمانہ کے عام لوگ خصوصاً عورتیں آج تک اس ماہ کے متعلق مختلف قسم کے توہمات اور خیالات اپنے ذہنوں میں جمائے ہوئے ہیں، کہاوتی اور قصہ ساز قسم کے فریبیوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر معاشرے میں اس قدر جہالت کو فروغ دیا ہے کہ عام لوگ مشرکانہ رسوم ورواج اور توہمات کا شکار ہو گئے اور کئی قسم کی عبث اور فضول حرکات کو اس ماہ صفر میں رواج دیا مثلاً:

(۱) ان دنوں میں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات منعقد کرنے کو، اسی طرح نیک کام اور اہم امور کے افتتاح وغیرہ کو برا سمجھتے ہیں۔

(۲) بعض لوگ کہتے ہیں کہ پورے سال میں مجموعی طور پر دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل

ہوتی ہیں جن میں سے نوالاکھ بیس ہزار مصیبتیں صرف صفر کے مہینہ میں اترتی ہیں، نیز یہ کہ حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت ایوب، حضرت یحییٰ، حضرت جرجیس، حضرت یونس علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ سب اسی ماہ میں مبتلائے مصیبت ہوئے اور حضرت ہابیل علیہ السلام بھی اس مہینہ میں شہید ہوئے۔

(۳) صفر کے پہلے تیرہ دنوں کو خاص طور پر نامبارک اور منحوس تصور کیا جاتا ہے اس لئے اس ماہ کو تیرہ تیزی بھی کہا جاتا ہے، چنانچہ تیرہ تاریخ گذرنے پر گھونگیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں تا کہ ان دنوں کی نحوست سے حفاظت ہو جائے۔

(۴) بعض لوگ بالخصوص مزدور ماہ صفر کی آخری بدھ کو عید مناتے ہیں اور اس دن چھٹی کرنے کو اجر وثواب کا موجب سمجھتے ہیں اور مشہور ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا حالانکہ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کا آغاز ہوا تھا، کتنی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے کہ جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبتلائے علالت ہوئے تھے اس دن خوشی اور عید منائی جائے۔

(۵) بعض لوگ اس دن گھروں میں موجود مٹی کے برتن توڑ دیتے ہیں اور بعض لوگ چاندی کے چھلے اور تعویذات بنوا کر ماہ صفر کی نحوست، مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں یہ خالص وہم پرستی ہے جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

گمراہ کن رہنماؤں سے جب ان کے باطل نظریات کے دلائل مانگے جائیں تو من گھڑت روایتیں اور غلط سلط دلیلیں پیش کرتے ہیں، چنانچہ صفر کے منحوس ہونے کے متعلق بھی ان سے ایک روایت منقول ہے کہ من بشرنی بخروج صفر بشرته بالجنة یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ماہ صفر کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا میں اس کو جنت کی بشارت دوں گا، سو اس کے متعلق واضح ہو کہ اول تو یہ روایت ہی بے اصل، موضوع اور من گھڑت ہے اس لئے ملا علی قاریؒ نے اس کو اپنی کتاب ''الموضوعات الکبیر'' میں لیا ہے جس میں انہوں نے صرف موضوع روایات کو جمع کیا ہے لہٰذا اس روایت سے استدلال کرنا سراسر جہالت وگمراہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر روایت کے الفاظ پر غور کریں تو کہیں بھی ماہ صفر کے منحوس ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ملتا، یہ محض اختراع اور اپنا خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ غور کریں تو مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ جل

شانہ سے ملنے کے بہت مشتاق تھے جس کی وجہ سے آپ کو ماہ صفر کے گذرنے اور ربیع الاول کے شروع ہونے کی خبر کا انتظار تھا کہ کب ماہ صفر گذرے اور میں اللہ سے جاملوں، اس لئے ایسی خبر لانے والے پر آپ نے اس بشارت کو مرتب فرمایا چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اسی مقصد سے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے لیکن ماہ صفر کی نحوست اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں من گھڑت، بے بنیاد، جاہلیت کی پیداوار اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکانہ توہمات اور غلط عقائد ونظریات کی بارہا نفی فرمائی ہے چنانچہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں کئی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صفر المظفر میں کوئی نحوست نہیں ہے، بلائیں اور آفتیں سب کچھ قادر مطلق خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور ان کا نزول اس کی مرضی پر موقوف ہے، اس میں ماہ صفر کی قید لگانا شریعت حقہ کے منافی، شرک، بدعت اور سخت گمراہی ہے۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الفضائل والاحکام للشہور والایام" مؤلفہ حضرت اقدس فقیہ الامۃ مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون، ورسالہ "بدشگونیاں بدفالیاں اور توہمات" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ بدعات سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

اصلاح معاشرہ

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے، عقائد ونظریات اور عبادات سے لے کر زندگی کے اخلاقی، معاشی، سیاسی اور تمدنی مسائل میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے لیکن آج کے معاشرتی ماحول اور دنیاوی بھاگ دوڑ نے مسلمانوں کو ایسا الجھا دیا ہے کہ وہ نہ تو مکمل تعلیم حاصل کر سکتے ہیں نہ ہی وہ مشغولیت کی بنا پر علماء کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے اہم مسائل کی معرفت سے محروم رہتے ہیں جن کا جاننا پاکیزہ اور پرسکون زندگی گذارنے کیلئے انتہائی ضروری ہے، ان مسائل کی معرفت کیلئے جامعہ حقانیہ ساہیوال سے ماہنامہ الحقانیہ نکلتا ہے جس میں اسلامی معلومات، ضروری مسائل اور حالات حاضرہ میں رونما ہونے والے واقعات کا مفصل تذکرہ کیا جاتا ہے جس کو پڑھ کر قارئین کو کافی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو اور اس میں معاونت کرنے والوں کو اجر عظیم عطا فرمائیں اور دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائیں، آمین (مولوی عمر فاروق متخصص جامعہ ہذا)

گاؤں میں جمعہ وعیدین کا شرعی حکم

موضع چوہال میں عید پڑھنی جائز ہے یا نہیں جس کی آبادی سات آٹھ سو کی ہے؟ نیز وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوہاب

جمعہ کے مسئلہ میں اس دیار میں حضرات حنفیہ اور غیر مقلدین وہابیہ کا اختلاف مشہور ومعروف ہے، وہابی لوگ ہر جگہ چھوٹے بڑے قصبہ وگاؤں میں ظہر کی طرح جمعہ کو واجب وضروری خیال کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ حضرات حنفیہ کے یہاں جمعہ کے لئے بعض ایسی خاص شرطیں ہیں جن کی وجہ سے وہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتے۔ حنفیہ کے نزدیک چونکہ مصر (بڑا گاؤں شہر یا قصبہ) جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے اس لئے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہوگا کہ اس صورت میں یہ جماعت نفل کی تداعی واہتمام کے ساتھ ہوگی جس کو حضرات حنفیہ مکروہ فرماتے ہیں۔

علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ کو جلد اول میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے ویشترط لصحتہا المصر وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق الخ (شامی ص۵۴۶ ج۱) صرف سات آٹھ سو کی آبادی جس جگہ ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے وہ جگہ قریہ کبیرہ، قصبہ میں عرفاً شمار نہیں ہوتی بلکہ ضروری ہے کہ اس جگہ بازار اور ایسے امارات وعلامات ہوں جن سے عرف میں اس کو قریہ کبیرہ یعنی قصبہ کہتے ہوں جن کی عبارت بالا میں تصریح کی گئی ہے لہٰذا اگر حسب بیان سائل موضع چوہال صرف آٹھ سات سو کی آبادی پر مشتمل ہے تو وہ قصبہ کی تعریف میں نہیں آتا اس لئے وہاں جمعہ وعیدین بنا بر مذہب حنفیہ ادا نہیں ہونگے بلکہ اس جگہ جمعہ پڑھنے والوں کے ذمہ بھی اس دن کی ظہر کی نماز فرض رہے گی۔

عیدین کی صحت کے لئے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں وتجب صلوتہما علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطہا المتقدمۃ سوی الخطبۃ فانہا سنۃ الخ (در ص۱۱۴ ج۱)

واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نمازعید سے قبل قربانی کرنے کاحکم

موضع چوہال میں قربانی کس طرح کرنی چاہیے جس کی آبادی سات آٹھ سوکی ہے عید پڑھنے کے بعد درست ہے یا پہلے بھی؟ نیز دیہات میں اور شہر میں قربانی کرنے کا کیافرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوہاب

قربانی مصر(شہر) میں عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد ہونی چاہیے،اگرکسی نے شہر میں عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی ذبح کی تو اس کی قربانی ادانہیں ہوتی بلکہ دوسری قربانی کرنا بعدنمازعید کے اس کے ذمہ ضروری ہے البتہ چھوٹے گاؤں اور دیہات میں جہاں حنفیہ کے نزدیک جمعہ صحیح نہیں ہے دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوجاتا ہے ووقت الاضحیة یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انه لا یجوز لاهل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اهل السواد فیذبحون بعد الفجر (هدایہ ص۴۴۳ ج ۴) بلکہ اگرشہر کا رہنے والا شہر سے باہراپنی قربانی بھیج دے تو بھی اس کی قربانی صبح صادق کے بعد درست ہے وحیلة المصری اذا اراد التعجیل ان یبعث بها الی خارج المصر فیضحی بها کما طلع الفجر (هدایہ ص۴۴۴ ج ۴) لیکن شہر میں عید کی نماز کے قبل قربانی ذبح کرنے سے ادانہیں ہوگی۔

واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نمازعید نہ پڑھنے والا قربانی ذبح کرسکتا ہے یانہیں؟

نمازعید نہ پڑھنے والا قربانی ذبح کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوہاب

قربانی ذبح کرنے کے لئے مسلمان ہونا کافی ہے،ہر مسلمان کا ذبح کرنا جائز ہے جبکہ اس نے تسمیہ پڑھ کرذبح کیا ہواور ذبح کرنا جانتا ہو،اگرچہ کتابی اصلی کا ذبح بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں ہے۔

واللّٰہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

تعارف وتبصرہ

نام کتاب۔ قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون المعروف گناہوں کا عذاب

نام مؤلف۔ علامہ ابواللیث سمرقندی قدس سرہ

مترجم۔ پروفیسر حافظ محمد سمیع اللہ فراز صاحب

صفحات۔۱۰۸ ناشر۔دارالقلم علی بلاک اعوان ٹاؤن لاہور

قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون (عربی) حضرت علامہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تالیف ہے جس کا اردو ترجمہ ''گناہوں کا عذاب'' کے نام سے محترم جناب پروفیسر مولانا حافظ محمد سمیع اللہ فراز صاحب زیدمجدہم نے نہایت محنت سے کیا ہے ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس ہے۔

مؤلف چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم، صوفی، بزرگ نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی امام الھدیٰ کے لقب اور ابواللیث کی کنیت سے معروف ہوئے ہیں، آپ اپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہ، جلیل القدر محدث اور ایک لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔زہد وورع میں اعلیٰ مقام کے حامل، اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ''قیامت کے دن میرے نامہ اعمال سے کوئی عبث چیز نہ نکلے گی اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا جھوٹ نہیں بولا اور کسی کے ساتھ اس قدر بھی برائی کا ارادہ نہیں کیا جس قدر جانور اپنے سر کو پانی میں مارتا ہے اور پھر سر اٹھالیتا ہے''۔

پیش نظر کتاب میں شراب نوشی، سودخوری، قتل، زنا، موسیقی، والدین کی نافرمانی وغیرہ گناہوں کی عبرتناک سزاؤں کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ قارئین اس کتاب کا مطالعہ فرما کر گناہوں سے اجتناب اور عمل صالح کی کوشش کریں گے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم مترجم زیدمجدہ کو جزائے خیر دیں اور ان کی اس عظیم کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں، آمین۔ (قاضی عتیق الرحمٰن)

سید عبدالناصر ترمذی

اسباب کی حقیقت، مشعل راہ، مینارۂ نور

حق تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے۔ ہم اس ارشاد گرامی پر یقین تو رکھتے ہیں لیکن اسے اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش نہیں کرتے، ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسباب بالکل ترک کر دیجئے لیکن خدارا انہیں دیگر دینی فرائض پر حاوی نہ ہونے دیجئے کہ ہم اپنا مقصد حیات ہی کھو بیٹھیں اور ہماری نظر مسبّب الاسباب سے ہٹ کر محض اسباب پر ہی اٹکی رہے، ذرا ایک نظر مذکورہ واقعہ پر ڈالئے جس کا ہر ہر حرف انسانیت کیلئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنیؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، اثناء گفتگو حضرت عثمان نے دریافت فرمایا ما تشتکی آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو فرمایا ذنوبی یعنی اپنے گناہوں کی تکلیف ہے، پھر پوچھا ما تشتھی یعنی آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو فرمایا رحمۃ ربی یعنی اپنے رب کی رحمت کا طلبگار ہوں، پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا الا امرلک بطبیب کہ میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلا لوں؟ تو فرمایا الطبیب امرضنی یعنی مجھے طبیب نے ہی بیمار کیا ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا الا امرلک بعطاء کہ میں آپ کے لئے بیت المال سے عطیہ بھیج دوں؟ تو فرمایا لا حاجۃ لی فیہ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجئے وہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، تو فرمایا کہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ میرے بعد فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی؟ مگر مجھے یہ فکر اس لیے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سونے سے پہلے سورۃ واقعہ پڑھا کریں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا جو شخص ہر رات میں سورت واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔

(ابن کثیر ص ۲۸۱ ج ۴)

مفتی حبیب اللہ تونسوی

گذشتہ سے پیوستہ

طلباء نے کیسی جانفشانی، دل لگی اور ہمہ تنی سے طالب علمی کی پرخطر اور طویل راہوں کو کیسے خندہ پیشانی سے سر کیا؟

اور علماء نے کیسے، وسعتوں، رفعتوں اور بلندیوں کے بلند وبالا زینوں سے درجہ بلند اپنی گدڑیوں اور چٹائیوں کو ایسا روپ تخت شاہی بخشا کہ بادشاہتوں اور سلطنتوں کے پاسبان، لعل وزمرد سے مرصع اور ہر قسم کی آسائش وزیبائش سے مزین تاج وتخت کے مالک، شہنشاہانِ وقت بھی ان کی جوتیوں میں بیٹھے نظر آنے لگے۔

بادشاہوں سے تیرے در کے گدا اچھے ہیں ۔۔۔ تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشیں

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی ۔۔۔ کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ۔۔۔ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

اس موضوع کو جب دیکھنا، پڑھنا اور اس کیلئے تاریخ کے اوراق کو کھنگالنا شروع کیا تو پڑھتے پڑھتے زبان تھک گئی، دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں اور اوراق کو الٹتے پلٹتے ہاتھ بھی رک گئے لیکن ان گھر، در سے بے خبر، مال ومتاع سے ناواقف قال اللہ، قال الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداؤں میں پلنے والوں کے تذکرے اور حالات، قصے اور واقعات ہیں کہ تاریخ کے اوراق میں موتیوں کی طرح چمکتے اور ستاروں کی طرح دمکتے چلے جارہے ہیں، ختم تو کیا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔

ہم اہل نظر سر نہ جھکائیں تو کیا کریں؟ ۔۔۔ ہر پیکر تصویر سے جب تو نکل آئے

جتنا مشکل میرے لئے اس موضوع کی تعیین تھی اس سے کئی گنا بڑھ کے میرے لئے پریشانی، سرگردانی اور حیرانی کی بات یہ کہ ان بے شمار بکھرے موتیوں، جگمگ کرتے ستاروں اور عطر فشاں پھولوں میں سے کس پھول، کس موتی اور کس ستارے کے ذکر معطر سے اپنی تحریر کے آنگن کو مہکانے کی ابتدا کروں؟ اور تند وتیز ہواؤں سے لاپرواہ ان اَن گنت چراغوں میں سے کس کو سب سے پہلے اپنے

موضوع کی ابتداء کیلئے عاریۃ اٹھالاؤں؟ آسمان علم وعمل کے تابندہ ستاروں اور اس گلشن کے مہکتے پھولوں میں سے ہر ایک کی ذات اس قابل ہے کہ تحریر وتقریر، تکلم وگفتگو کی ابتدا بھی اسی سے ہو اور انتہا بھی، ان شخصیات میں سے ہر ایک شخصیت ایسی ہے کہ اس کا تذکرہ لکھتے لکھتے قلم تو فخر کرتی ہی ہے لیکن زبان بھی اس لطف سے ناآشنائی اپنے لئے بدقسمتی اور بہت بڑی محرومی سمجھتی ہے، لیکن مسئلہ وہی کہ ابتدا کروں تو کس شخصیت کے تذکرے سے؟ لکھوں تو کس شخصیت کو؟ نوک قلم سے جگاؤں تو کس خوابیدہ شیر کو؟ چٹائی پر دوزانوں بیٹھے کبھی استاذ کی طرف، کبھی کتاب کی عبارت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نظریں جمانے والے کسی شاگرد کے ذکر سے آغاز کروں یا دسیوں، بیسیوں سینکڑوں اور ہزاروں طلبہ کے جھرمٹ میں بیٹھے مشکلات کی گتھیاں سلجھانے والے کسی استاذ کے تذکرہ سے بات شروع کروں؟ اس سے بڑھ کر میرے لئے مشکل یہ ہے کہ کس کو استاذ کہوں اور کس کو شاگرد؟ کس کو پڑھنے والا اور کس کو پڑھانے والا؟ کس کو سیکھنے والا اور کس کو سکھانے والا؟ ؎

نالے ہیں، نہ فریاد، نہ آنکھوں میں تری ہے ۔۔۔ ہر حرم تمنا سے مرا عشق بری ہے
تو ہے، ترے جلوے ہیں، ترے حسن کی دنیا ۔۔۔ میں ہوں، مری حیرت ہے، پریشاں نظری ہے

بات اگر تھانہ بھون کی خانقاہ کو از سر نو آباد کرنے والے مجدد ملت سے شروع کروں تو حیرانی اور پریشانی یہ ہے کہ ان کو اساتذہ کے سامنے ہاتھ جوڑے یہ کہہ کر کہ ''حضرت ہم دستار فضیلت کے اہل نہیں ہمیں یہ نہ پہنائی جائے'' آنسو بہاتا ہوا شاگرد رشید کہوں یا طلبا تو کیا علماء، صلحا بلکہ فقہاء کو پڑھاتا اور درس دیتا ہوا استاذ شفیق کہوں؟ اگر کھدر کے لباس میں ملبوس شیخ العرب والعجم کا تذکرہ کروں تو قلم رک رک جاتا ہے کہ پیٹ کی گرمی سے گرم کر کے استاذ کی خدمت میں گرم پانی پیش کرتا ہوا باادب شاگرد لکھوں یا روضۂ اقدس کی چھاؤں میں بیٹھ کر قال صاحب هذا القبر کہہ کر درس دینے والا بانصیب استاذ لکھوں؟ اگر کالا پانی کی کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر تفسیر لکھنے والے شیخ الہند کے تذکرے سے آغاز کروں تو پریشانی یہ ہے کہ ان کو محمود استاذ کا محمود شاگرد کہوں یا چالیس سال تک مسلسل درس حدیث دینے والا استاذ کہوں؟ سہارنپور کو رونق بخشنے والے خلیل احمد کا نام لوں تو ان کو اپنے سر پر سید الطائفہ کے دست اقدس سے دستار فضیلت سجانے والا دولہا صفت تلمیذ کہوں یا بذل المجہود لکھ کر عجم تو کیا پورے

عرب کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا استاذ فطین کہوں؟

اگر گنگوہ کے مرد قلندر کا تذکرہ شروع کروں تو اپنے آپ سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ ان کو اپنے استاذ سید الطائفہ پر مرمٹنے والا شاگرد رشید کہوں یا حضرت شیخ الہند، حضرت مدنی، حضرت سہارنپوری، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری اور سینکڑوں تشنگانِ علم و معرفت کو روحانیت کے لبالب بھرے جام پلاتا ہوا استاذ عزیز کہوں؟ اگر اسلام کی سچائی پر واضح ثبوت کشمیری کا تذکرہ کرنا چاہوں تو مذبذب ہوں کہ ان کو حضرت شیخ الہند، حضرت سہارنپوری وغیرہ استاذوں کے سامنے دوزانوں بیٹھا ہوا شاگرد کہوں یا اٹھارہ سال تک دار العلوم دیوبند میں پھر کم و بیش بارہ سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کرتا ہوا استاذ کہوں؟ اگر دہلی کے درویش منش مفتی کا تذکرہ کروں تو حیرانی یہ ہے کہ ان کو ٹوپیاں بن بن کے طالب علمی کی ضروریات پورا کرتا ہوا تلمیذ فقیر کہوں یا مدرسہ تو کیا جیل میں بھی فتح الباری، دیوان حماسہ اور سراجی وغیرہ کتب پڑھاتا ہوا استاذ بے نظیر کہوں؟

اگر نام سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا لوں تو خرد پوچھتی ہے کہ ان کو مولانا نصیر الدین اور میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے سامنے با ادب بیٹھا ہوا شاگرد صاحب عقلِ سلیم کہوں یا ادق اور غامض مسائل کا عام فہم انداز میں حل پیش کرتا ہوا قابل ترین استاذ کہوں؟ (مثلاً ایک دفعہ کسی مولوی صاحب نے آپ سے پوچھا حضرت! حدیث الید العلیا خیر من الید السفلی میں تو مالدار کی فقیر پر فضیلت معلوم ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا اس حدیث میں جو مالدار کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ مالدار اپنے ہاتھ سے مال نکال کر فقیر بننا چاہتا ہے، پھر حضرت نے فرمایا جب فقر کی طرف اس تھوڑے سے اقدام کی اتنی فضیلت ہے تو فقیر کی کتنی فضیلت ہوگی) سادگی اور کسر نفسی میں اپنی مثال آپ حجۃ الاسلام کا تذکرہ کروں تو حیرانی ہے کہ ان کو ذہین و فطین طالب علم کہوں یا لسان امداد، ذات باری تعالیٰ کی صفت علم کا مظہر اتم، طلبا تو کیا علماء کیلئے بھی نمونہ زندگی بننے والا قاسم نانوتوی کہوں؟ یہ سلسلۃ الذہب اتنا وسیع ہے کہ چھیڑتے جاؤ اور چھڑتا جائے، کھولتے جاؤ اور کھلتا جائے۔

اس موضوع کیلئے دل و دماغ نے ہزاروں نام پیش کر دیے، اساتذہ سے لے کر شاہ ولی اللہ تک اور ان سے محدثین تک اور ان سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان گنت اسماء گرامی ہیں کہ ہر

ایک پر دفتروں لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

کس نام سے اپنی گفتگو کا آغاز کروں؟ کس شخصیت کے تذکرے سے ابتدا کروں؟ اس سوال کے ساتھ ہی ہزاروں نام نظروں کے سامنے گھومنے لگے، تاریخ کے اوراق پلٹتا رہا، نام آتے رہے دیکھتا رہا لیکن ان ناموں کے جھمگھٹے میں ایک نام ایسا آیا کہ آتا ہی گیا، ذہن میں بیٹھا کہ بیٹھتا ہی گیا، قلب کو منور اور ذہن کو معطر کرتا ہی گیا، جی نے چاہا کہ اسی پر لکھوں، زبان نے کہا اسی کو بولوں، ذہن نے سوچا اسی کو سوچوں، دل بھی بچھ گیا، آنکھیں بھی تک گئیں تو قلم بھی چل پڑا۔

سید عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ، جامعہ کے شب و روز

یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں حضرت سید نظیر الحسن تھانوی (ڈائریکٹر اسلامک ایسوسی ایشن سڈنی آسٹریلیا) تشریف لائے، موصوف حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں جو حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے نواسے ہیں۔

حضرت کی تشریف آوری پر جامعہ کی طرف سے منعقد کی گئی تقریب میں آں موصوف نے جامعہ کے طلبہ سے بڑا پرمغز اور جاندار خطاب فرمایا جو نہایت گرانقدر اور موثر نصیحتوں پر مشتمل تھا، انہوں نے اپنے بیان میں شرک کی مذمت اور والدین سے حسن سلوک کی تاکید کی اور اس بات پر بھی زور دیا کہ طلبہ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس پر بھی توجہ دیں۔

نشست کے آخر میں حضرت نے خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے اشعار نہایت ہی دلنشیں اور عمدہ لب ولہجہ میں سنا کر محفل کو کشت زار میں بدل دیا۔

۳ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں دو بچوں کی تکمیل حفظ قرآن کے موقع پر ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا گیا، صدر جامعہ نے اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے تعلیم قرآن کی اہمیت اور اسے اپنی عملی زندگی میں اپنانے پر زور دیا۔

۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں تنظیم اہل سنت کے صدر مولانا عبد الغفار تونسوی مدظلہ کی تشریف آوری ہوئی، ۸ محرم الحرام کو حضرت نے ساہیوال کے مضافات میں صدر جامعہ کی صدارت میں منعقدہ ایک جلسہ میں عظمت صحابہ واہل بیت کے عظیم الشان عنوان پر محققانہ خطاب فرمایا اور رات کا قیام جامعہ میں ہی ہوا۔

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو گذشتہ سال کی طرح اجازت مسلسلات کے حوالہ سے جامعہ میں

ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں صدر جامعہ نے اساتذہ، تخصص اور دورۂ حدیث شریف کے طلبہ

کو مسلسل بیوم العاشوراء اور دیگر احادیث مسلسلہ کی اجازت مرحمت فرمائی، حدیث مبارکہ کی اس مقدس ودلآ ویز اور نورانی محفل میں جامعہ کے علماء اور طلبہ کے علاوہ سرگودھا کے علماء نے بھی شرکت کی۔

۷ ارمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو صدر جامعہ نے یورپین کنٹریز کے خبثِ باطن اور متعفن سوچ کے آئینہ دار خاکوں کے خلاف نکالی گئی ایک ریلی کی سرپرستی فرمائی، اس احتجاجی ریلی سے مختلف طبقۂ فکر کے علماء نے خطاب کیا اور آخر میں صدر جامعہ نے اس عظیم اجتماع سے تاریخ ساز خطاب کرتے ہوئے یورپی یونین کو متنبہ کیا کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیوں سے باز رہے ورنہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور طوفان آجائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت ان دیوانوں کا راستہ روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ اگر اٹھاون اسلامی کنٹریاں بھی خواجۂ یثرب حضور انور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر قربان ہو جائیں تو بھی آپ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے مسلمانوں کے قلوب واذہان کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا کہ مسلمان کفار کے اقتصادی اور معاشی بائیکاٹ کے ساتھ ساتھ ان کی شکل وصورت کا بھی بائیکاٹ کریں۔

اس عظیم الشان اجتماع سے جامعہ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد ظفر اللہ صاحب مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے اپنے سوز باطن سے دلوں کو گرمایا اور فرانسیسی اخبار کے اس حالیہ بیان پر کہ (نعوذ باللہ) ''ہم خدا کے بھی خاکے چھاپیں گے'' U-N-O کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اپنے پالتو کتوں کو لگام دے ورنہ امت مسلمہ خود انتقام لینے پر مجبور ہو جائے گی، انہوں نے حکومت پاکستان اور O-I-C سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے اور اپنے فرائض سے سبکدوش ہو۔



خاکوں کی خاک

چمگادڑوں کی ٹوک سے سورج کو کیا ضرر　　کتوں کے بھونکنے سے بجھا ہے کبھی قمر؟
اندھا ہزار کہتا رہے دن کو رات ہے　　کیا مان لے گا اس کی جو ہے صاحبِ نظر
خوشبوئے مشک خود ہے سند اپنے مشک کی　　خورشید خود دلیل ہے اپنی اے بے خبر!
حوضوں کے مینڈکوں کا ہے دریا سے ربط کیا　　کرگس کے علم میں کہاں شاہیں کی رہگذر
تنقید بادشاہ پہ بھنگی کرے تو کیا　　خود اپنے منہ پہ آتا ہے تھوکے جو چاند پر
ان کا وقار بڑھتا رہے گا یونہی فہیم　　"خاکوں" کی خاک اڑتی رہے گی نگر نگر



خاکوں کی خاک

چمگادڑوں کی ٹوک سے سورج کو کیا ضرر
کتوں کے بھونکنے سے بجھا ہے کبھی قمر؟

اندھا ہزار کہتا رہے دن کو رات ہے
کیا مان لے گا اس کی جو ہے صاحب نظر

خوشبوئے مشک خود ہے سند اپنے مشک کی
خورشید خود دلیل ہے اپنی اے بے خبر!

حوضوں کے مینڈکوں کا ہے دریا سے ربط کیا
کرگس کے علم میں کہاں شاہیں کی رہگذر

تنقید بادشاہ پہ بھنگی کرے تو کیا
خود اپنے منہ پہ آتا ہے تھوکے جو چاند پر

ان کا وقار بڑھتا رہے گا یونہی نعیم
''خاکوں'' کی خاک اڑتی رہے گی نگر نگر